راہِ اعتدال

احناف اور اہل حدیث کے مابین
اہم اختلافی مسائل کا علمی تجزیہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکتبۂ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

toobaa-elibrary.blogspot.com

راہ اعتدال

☆ تقلید کی حقیقت، ضرورت، احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ سے اس کا ثبوت
☆ سلف صالحین کا اس پر تعامل اور ترک تقلید کے نقصانات
☆ محدثین و فقہاء، اہل اللہ اور سلف صالحین کی نظر میں امام ابو حنیفہؒ کا درجہ و مقام نیز غیر مقلدین کی طرف سے اٹھائے جانے والے مشہور مسائل (یعنی)
☆ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ ☆ آمین ☆ رفع یدین
☆ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا مسئلہ
☆ مردوں اور عورتوں کے طریقہ نماز میں فرق
☆ مساجد اور عیدگاہوں میں خواتین کی آمد
☆ مصافحہ کا مسنون طریقہ
☆ ایک مجلس کی تین طلاقیں وغیرہ کا منصفانہ جائزہ
☆ جدل اور مناظرہ کی بجائے نصح و موعظت کا اسلوب اور عام فہم زبان

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

مکتبۂ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

☆ نام کتاب : راہِ اعتدال

☆ مصنف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

☆ اشاعت اول : جون ۱۹۹۹ء

☆ قیمت : 72:00 روپے

☆ پرنٹرز : گنج شکر پرنٹرز

ملنے کا پتہ

مکتبہ خلیل

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون :7321118

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ
بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے
ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر و ارتداد و
فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں
کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا
بھاری سبب ہے، گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر
ترکِ تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ
کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔"

(معروف غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالویؒ)

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیننا و بین الناس ابو حنیفة،
فمن احبه و تولاه علمنا انه من
اهل السنة ومن ابغضه علمنا انه
من اهل البدعة۔

"ہمارے اور لوگوں کے درمیان وجہ امتیاز امام ابوحنیفہؒ ہیں، جس نے آپؒ سے محبت رکھی، ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہل سنت میں سے ہے اور جس نے آپؒ سے بغض رکھا، ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہل بدعت میں سے ہے۔"

(حافظِ حدیث عبدالعزیز ابن ابی رواد ؒ)

من تمام السنة حب ابی حنیفة۔

"امام ابوحنیفہؒ سے محبت مکمل طور پر اہلِ سنت میں سے ہونے کی علامت ہے۔"

(محدث ابراہیم بن معاویہؒ)

فہرست مضامین

حرفِ چند ۱۴
سخنہائے گفتنی ۱۸

تقلید ــــ حقیقت اور ضرورت

تقلید کی حقیقت ۳۸
تقلید کیوں ضروری ہے؟ ۴۵
تقلید شخصی ــ نفس پرستی کو روکنے کا ذریعہ ۴۹
غیر مقلدیت ــ گمراہی کا دروازہ ۵۴
نواب صدیق حسن صاحبؒ کا بیان
مولانا محمد حسین بٹالویؒ کا تأثر ۵۵
مولانا داؤد غزنویؒ کا بیان
غیر مقلدین اور قادیانیت ۵۷
غیر مقلدین اور انکارِ حدیث ۵۸
غیر مقلدین اور الحاد ۵۹
تغیر بالرائے
صحابہؓ کی بے احترامی ۶۰
اہلِ بیتؓ کی بے احترامی ۶۲
بخاریؒ پر بے اعتمادی ۶۴
ترمذی اور مسند امام احمد پر تنقید ۶۵
امام المحدثین ابن شہاب زہریؒ پر بے اعتمادی ۶۶
قاضی عبدالواحد خان پوری کی خود اپنی جماعت سے شکایت ۶۷
تقلید اور علامہ اقبالؒ ۶۸
تقلیدِ شخصی اور حدیث
تقلیدِ شخصی عہدِ صحابہ میں ۷۰
تقلیدِ شخصی ــ محدثین اور سلفِ صالحین کا تعامل ۷۳
ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کیوں؟ ۷۸
فقہی کتابوں کا استہزاء ۸۲
امام ابوحنیفہؒ ــــ محدثین اور سلفِ صالحین کی نظر میں ۸۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام ابوداؤد کا اعتراف ۸۶
وکیع ـــ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ۸۷
امام ابوحنیفہؒ سے کسبِ فیض کرنے والے اساطین محدثین
امام ابوحنیفہؒ کے مادحین :-
امام مالکؒ
امام شافعیؒ ۸۸
امام احمدؒ
امام عبداللہ ابن مبارکؒ
مکی بن ابراہیمؒ ۸۹
امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہؒ
سفیان ثوریؒ
سفیان بن عیینہؒ
امام المحدثین یحییٰ ابن معینؒ ۹۰
امام ابوبکر اعمشؒ ۹۱
ناقدِ رجال یحییٰ بن سعید القطانؒ
امام وکیعؒ
حماد بن زیدؒ
سعید بن اردویہؒ ۹۲
خلف بن ایوبؒ
سرخیل محدثین امام معمرؒ
مسعر بن کدامؒ
قاسم بن معنؒ ۹۲
صاحبِ مصنف عبدالرزاق بن ہمامؒ ۹۳
فقیہ ابن شبرمہؒ
قاضی شریک نخعیؒ
خارجہ بن موسیٰؒ
محدث یزید بن ہارونؒ
زاہدِ امت فضیل بن عیاضؒ
زہیر ابنِ معاویہؒ ۹۴
عبداللہ ابن داؤدؒ
شداد بن حکیمؒ
حسن بن سلیمانؒ
امام اوزاعیؒ
علی بن عاصمؒ
امام ابویوسفؒ ۹۵
حافظ محمد بن میمونؒ
مسعر بن کدامؒ
ایوب سختیانیؒ
محدث ابن جریجؒ
عیسیٰ ابن یونسؒ
حماد بن سلمہؒ ۹۶
حسن بن صالحؒ

اسد بن عمرو ۹۶
محدث بکیر ابن معروف
حسن بن عمارہ
حافظ ذہبی کا بیان
ابن خلکان کا بیان ۹۷
حافظ ابن کثیر کا بیان
مخالفت کا سبب حسد ۹۸
دوسرا سبب : غلط فہمی ۱۰۰
امام اوزاعی کی غلط فہمی ۱۰۱
سفیان ثوری کی غلط فہمی ۱۰۲
امام محمد باقر کی غلط فہمی ۱۰۳
غلط فہمی کے اسباب ۱۰۴
امام ابوحنیفہؒ سے بغض، بدعتی ہونے کی علامت۔
امام ابوحنیفہؒ سے محبت اہلِ سنت میں سے ہونے کی علامت ۱۰۵
نقد و کلام سے کوئی محفوظ نہیں
محدث ایوب سختیانی کا چشم کشا بیان ۱۰۶
علامہ محمد بن یوسف دمشقی کا حقیقت پسندانہ کلام ۱۰۷

نماز میں ہاتھ کہاں باندھا جائے؟
فقہاء کی رائیں ۱۰۹
حنفیہ کے دلائل
حضرت علیؓ کی روایت
حضرت وائل بن حجر کی روایت ۱۱۰
حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ۱۱۱
حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت
حضرت انسؓ کی روایت
سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق روایتیں
حضرت وائل کی روایت
اس روایت پر ایک نظر ۱۱۲
حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت اور اس کا ضعف
حضرت ہلبؓ کی روایت ۱۱۳
امام طاؤس کی روایت
ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی روایت ۱۱۴
وسعت و گنجائش ۱۱۵
ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل
امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت
مقتدی کا فاتحہ نہ پڑھنا جمہورِ امت کا مسلک! ۱۱۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمہور اور حنفیہ کے دلائل:	۱۱۸
قرآن مجید	
احادیث	۱۱۹
حدیث ۱	
حدیث ۲	۱۲۰
حدیث ۳	۱۲۱
حدیث ۴	
حدیث ۵	۱۲۲
حدیث ۶	
حدیث ۷	۱۲۳
حدیث ۸	
حدیث ۹	۱۲۴
حدیث ۱۰	
حدیث ۱۱	
حدیث ۱۲	۱۲۵
حدیث ۱۳	
حدیث ۱۴	
حدیث ۱۵	۱۲۶
حدیث ۱۶	
حدیث ۱۷	۱۲۷
حدیث ۱۸	
حدیث ۱۹	۱۲۷
آثار صحابہ:	
حضرت جابرؓ	۱۲۸
حضرت زید بن ثابتؓ	
حضرت عبداللہ ابن عمرؓ	۱۲۹
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ	
حضرت ابو الدرداءؓ	۱۳۰
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ	
حضرت علیؓ	۱۳۱
حضرت سعدؓ	
حضرت عمرؓ	
خلفاء راشدین اور دس صحابہؓ کا عمل	۱۳۲
حضرت سوید بن غفلہ	
عہد صحابہ کا عام معمول	
عقل و قیاس	۱۳۳
امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کے دلائل:	
حدیث "اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی" کا حقیقت پسندانہ جائزہ	۱۳۴
حدیث ۲	۱۳۶
حدیث ۳	۱۳۷
حدیث ۴	۱۳۹

حدیث ۵	۱۳۸
حدیث ۶	۱۳۹
حدیث ۷	
حدیث ۸	۱۴۰
آثار صحابہؓ:	
حضرت عبداللہ ابن عمرؓ	
حضرت عمرؓ	
حضرت ابی ابن کعبؓ	۱۴۱
حضرت علیؓ	
حضرت جابر ابن عبداللہؓ	۱۴۲
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ	
خلاصۂ بحث	۱۴۳

آمین زور سے کہا جائے یا آہستہ؟

آمین کے معنیٰ	۱۴۴
فقہاء کے نقاط نظر	
جہری روایتیں:	۱۴۵
حضرت وائل کی روایت	
حضرت ابوہریرہؓ کی روایت اور اس پر کلام	۱۴۷
حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت اور اس کا درجہ	
حضرت ام حصین کی روایت اور اس کا ضعف	۱۴۷
حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت	۱۴۸
حضرت بلال کی روایت اور اس کا ضعف	۱۴۹
آہستہ کہنے کی روایتیں:	
حدیث ۱	
حدیث ۲	۱۵۰
حدیث ۳	
حدیث ۴	۱۵۱
حدیث ۵	
حدیث ۶	۱۵۲
حضرت وائل کی روایت — تفصیلی کلام!	
عدل و اعتدال کی راہ	۱۵۵
آہستہ آمین کہنا حکم قرآنی سے ہم آہنگ	
آمین زور سے کیوں کہی گئی؟	۱۵۶
امام طبری کا چشم کشا بیان	۱۵۷
صرف فضیلت کا اختلاف	

رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین

فقہاء اور صحابہ کی آراء	۱۵۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

رفع یدین نہ کرنے پر احادیث : ۱۵۹
پہلی حدیث
دوسری حدیث ۱۶۰
تیسری حدیث
چوتھی حدیث ۱۶۱
پانچویں حدیث
آثار صحابہؓ : ۱۶۲
حضرت عمرؓ
حضرت علیؓ
خود حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا عمل ۱۶۳
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ
اصحاب علی وعبداللہ ابن مسعودؓ کا عمل ۱۶۴
صحابہ میں ابن مسعودؓ کا مقام ۱۶۵
رفع یدین احادیث کی روشنی میں : ۱۶۶
حدیث ۱
حدیث ۲
حدیث ۳ ۱۶۸
یہ حدیث کہ "رفع یدین پر وفات تک عمل تھا" موضوع ہے!
حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی مرویات رفع یدین پر ایک نظر ۱۷۱
حضرت مالک ابن حویرث کی روایات ۱۷۲
حضرت وائل ابن حجرؓ کی روایات
چار رکعت میں ۲۶ دفعہ رفع یدین ۱۷۳
کوفہ کا تعامل ۱۷۴
اہل مدینہ کا تعامل
ترک رفع یدین کی ترجیح کے وجوہ ۱۷۵
رفع یدین کے راویوں سے ترک رفع یدین کا ثبوت
ترک رفع حکم قرآنی سے قریب ۱۷۶
علامہ باجی مالکی کا بیان
امام طحاوی کا بیان ۱۷۷
حدیث قولی ترک رفع کو بتاتی ہے
اکابر صحابہؓ کا مسلک ۱۷۸
فقہاء محدثین کی روایت
احناف کے مسلک کی وضاحت
رفع یدین سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۱۷۹
کیا رفع یدین والی احادیث منسوخ ہیں؟ ۱۸۰
پہلی دلیل
دوسری دلیل
تیسری دلیل ۱۸۱
چوتھی دلیل

محققین احناف کا نقطہ نظر ۱۸۱
احادیث میں رفع یدین کے مواقع ۱۸۲
سجدہ سے پہلے
دو سجدوں کے درمیان ۱۸۳
سجدہ کے بعد
دوسرے سجدہ کے بعد
ہر تکبیر کے ساتھ
ہمیشہ بلندی سے پستی اور پستی سے بلندی کی طرف جاتے ہوئے ۱۸۴
نماز تراویح کی بیس رکعتیں ۱۸۵
بیس رکعت ـ امت کے سواد اعظم کا مسلک!
بیس رکعت سے متعلق احادیث و آثار ۱۸۶
حدیث
عہد فاروقی کا عمل ۱۸۷
ایک اور روایت
حضرت ابی ابن کعبؓ
حضرت سائب ابن یزیدؓ
حسن بصریؒ ۱۸۸
حضرت علیؓ
ایک اور روایت
حضرت سوید بن غفلہؓ ۱۸۹
عہد صحابہ اور عہد تابعین کا عام معمول
سعید بن جبیر کا معمول
ابوالبختری کا معمول
ابن ابی ملیکہ ۱۹۰
علی بن ربیعہ
داؤد بن قیس
شتیر بن شکل
مکہ، مدینہ اور کوفہ کا عہد صحابہ سے تعامل ۱۹۱
اہل علم کے قبول کرنے کی وجہ سے حدیث ضعیف بھی مقبول ۱۹۲
سیوطی کی صراحت
حافظ ابن حجر کی صراحت ۱۹۳
علامہ سخاوی کی صراحت
خلفاء راشدین کی اتباع حدیث کی روشنی میں ۱۹۴
حضرت عائشہ کی روایت تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے ۱۹۵
سعد بن یزید کی روایت ۱۹۶
تراویح اور تہجد دو الگ نمازیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مَردوں اور خواتین کی نماز میں فرق

خواتین کے بارے میں شریعت کا عمومی مزاج و مذاق
مَرد و عورت کی نماز میں فرق ــ سلفِ صالحین کا عمومی مسلک ۱۹۸
جمہور امّت کی دلیلیں ۱۹۹
پہلی حدیث
دوسری حدیث ۲۰۰
تیسری حدیث
چوتھی حدیث
پانچویں حدیث ۲۰۱
چھٹی حدیث
حضرت علی رضؓ کا فتویٰ ۲۰۲
حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ کا فتویٰ
اجلّۂ تابعین کے فتاویٰ
امام شافعیؒ کا ارشاد
محدث بیہقیؒ کا بیان ۲۰۳

مساجد میں عورتوں کی نماز ۲۰۴

ایک استفسار
جواب
عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ۲۰۵
حضرت ام سلمہ رضؓ کی روایت
حضرت ام حمیدؓ کی روایت ۲۰۶
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت
یہ صرف حنفیہ کی رائے نہیں ۲۰۷
مسجد میں خواتین کے جانے کی اجازت اور اس کا پس منظر ۲۰۸
مسجد آنے کے لئے حدود و قیود ۲۰۹
عصرِ حاضر میں ان حدود کی رعایت دشوار ہے ۲۱۰
حضرت عائشہ رضؓ کا ارشاد ۲۱۱
حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ کا عمل ۲۱۲
حضرت عروہ ابن زبیرؓ کا عمل
فتنہ کا اندیشہ ۲۱۳
مسجد اور بازار جانے میں فرق
جنگِ جمل سے غلط استدلال ۲۱۴
صحیح احادیث صرف صحاحِ ستہ ہی میں نہیں
نہ صحاحِ ستہ کی ہر روایت صحیح ہے ۲۱۵
فقہ ــ مخصوص احکام کی مرتب صورت ۲۱۶

ایک مجلس کی تین طلاقیں ۲۱۷

تینوں طلاقوں کا واقع ہونا جمہورِ امت کا مسلک ۲۱۷

جمہور کے دلائل : ۲۱۸
قرآن
امام بخاریؒ کی صراحت ۲۱۹
احادیث : ۲۲۰
حدیث ۱
حدیث ۲
حدیث ۳ ۲۲۱
حدیث ۴ ۲۲۲
حدیث ۵
حدیث ۶ ۲۲۳
حدیث ۷
آثارِ صحابہ رضؓ : ۲۲۴
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ
حضرت علی رضؓ
حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ
حضرت عمر رضؓ ۲۲۵
حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ
حضرت عمران بن حصین رضؓ
حضرت رکانہ کی روایت سے غلط فہمی ۲۲۶
طاؤس کی روایت اور اس کی حقیقت ۲۲۷
سعودی عرب کی مجلس ہیئت کبار العلماء کا فیصلہ ۲۲۹

مصافحہ کا مسنون طریقہ ۲۳۰

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایات
پہلی روایت
دوسری روایت ۲۳۱
تیسری روایت
چوتھی روایت
دو ہاتھوں سے بیعت ۲۳۲
بیعت میں بھی مصافحہ
مبہم روایات : ۲۳۳
حدیث ۱
حدیث ۲
حدیث ۳ ۲۳۴
حدیث ۴
حدیث ۵ ۲۳۵
کلمۂ عدل : ۲۳۶
دونوں طریقے ثابت ہیں
دونوں ہاتھ سے مصافحہ افضل ہے ۲۳۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

حرفے چند

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

اس دورِ پُر فتن میں جب کہ سینکڑوں قسم کے فتنے مسلمانوں پر بارش کی طرح برس رہے ہیں اور اس کے معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں، ان میں ایک اہم ترین فتنہ ہمارے غیر مقلد بھائیوں (جو اپنے آپ کو بشمولِ اہلِ حدیث دسیوں ناموں سے موسوم کرتے ہیں)، کی بے سروپا موشگافیوں کا ہے یہ حضرات چند نہایت ہی غیر اہم اور انتہائی فروعی مسائل کو ایمان و اعتقاد کا درجہ دے کر ان کی بنیادوں پر حق و باطل اور توحید و شرک کو تقسیم کر کے برادرانِ اسلام بلکہ اکابرِ علمارِ کرام کی تضلیل و تکفیر میں مشغول ہیں اور ائمہ سلف خصوصاً امام اعظمؒ اور ان کی تحقیقاتِ علمیہ پر نہایت رکیک تبصرے اور بازاری قسم کی تنقیدیں جاہل سے جاہل غیر مقلد کا محبوب پیشہ اور مشغلہ بنا ہوا ہے۔ براہِ راست سنے ہوئے چند جملے بطورِ عبرت درج کر رہا ہوں:۔

"ائمہ اربعہ کی تقلید صریح گمراہی ہے"۔ "حنفی لوگ مدینہ جا کر مردے سے سفارش کراتے ہیں"۔ "ہم ائمہ کا نام نہیں سننا چاہتے"۔ "ائمہ کو برحق کہنے والے کو اپنے منہ کی طہارت لینی چاہیئے"۔ "عبدالقادر جیلانی تو گمراہی پھیلانے کے لئے پیدا ہوا تھا"۔ "تقلید تو کھلا ہوا شرک ہے"۔ "مقلدین گمراہ اور اسلام سے خارج ہیں"۔ جو نمازیں حنفی طریقے پر پڑھی گئیں وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوئیں"۔ "جب تک ائمہ اربعہ کے مصلی نہیں نکالے گئے حرم میں

باطل گھسا ہوا تھا"۔ "دو ہاتھ سے معافحہ کرنے والا یہودی ہے"۔ "ننگے سر نماز پڑھنا مردہ سنت کا احیاء ہے"۔ "ائمہ اربعہ کے ماننے والے چار خدا کے قائل ہیں"۔ "ابن مسعود کی تو بات چھوڑو، انہیں حافظ ہی نہ تھا"۔ "کسی کو مولانا کہنا حرام ہے"۔ "درود شریف میں سیدنا کہنا حرام ہے"۔

یہ اور اس قسم کی خدا جانے کتنی باتیں ہیں جو اب غیر مقلدین کے عامی سے عامی آدمی کی زبان پر بلا تکلف جاری ہیں، لطف یہ ہے کہ ان بیچاروں کی تحقیق کسی اصول پر مبنی ہے نہ تنقید کا کوئی دستور ہے اور نہ ہی علم میں کوئی تعمق و گہرائی ہے، لے دے کے چند مسائل ہیں جن کی اہمیت شرع میں "بہتر" اور "کم بہتر" سے زیادہ نہیں ہے (سوائے چند مسائل کے)۔

سوچنے کی بات ہے کہ فروع کو اصول کا درجہ دینا، سنت و مستحب چیزوں میں فرض و واجب جیسا تشدد کرنا اور اپنی ذہنی اُپج کے مقابلہ میں کبار علمار اور مجتہد ائمہ کی صاف و بے غبار تحقیقات کو غلط و بے بنیاد قرار دینا آخر کس دین و دیانت کا تقاضہ ہے؟

نیز ایک ایسے وقت میں جب کہ اسلام دشمن قوتیں متحد و متفق ہو کر اسلامی تشخص و امتیاز اور مسلمانوں کے وجود ہی کے درپے ہیں اور اسلام کا مستقبل ایک گومگو کی کیفیت میں ہے، معمولی اور فروعی مسائل کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کے شیرازہ کو مزید بکھیرنا اور گھر گھر شقاق و اختلاف کا ماحول بنانا کس عقل کی دین اور کس مذہب کی تعلیم ہے؟

اس سے زیادہ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ بہ حیثیتِ مجموعی اس جماعت کے اصاغر و اکابر، عوام و علمار سب ایک ہی روش پر دکھائی دیتے ہیں۔ بڑوں میں اگر سنجیدگی ہوتی تو چھوٹوں میں یہ جرأتِ بے جا ہرگز نہ پیدا ہوتی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے علماءِ دیوبند کا مزاج حتی المقدور تعمیری و اصلاحی جد و جہد میں لگے رہنے اور اختلافی امور میں تنقید و رد کی طرف بدرجہ مجبوری اور سخت ضروری مواقع پر ہی اعتناء کرنے کا ہے —— آجکل چوں کہ یہ فتنہ تیزی سے پھیل رہا ہے، ضرورت کا تقاضہ ہے کہ بقدرِ ضرورت اس کی جانب توجہ دی جائے اور پوری سنجیدگی اور وقارِ علمی کے ساتھ اس کے فرو کرنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ زیرِ نظر کتاب اسی کوشش کا ایک حصّہ ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد ریاست کی ایک اہم علمی شخصیت ہیں، طبعی طور پر اختلاف سے دور اور بحث و مباحثہ سے نفور ہیں، لیکن غیر مقلدین کی موجودہ موشگافیاں اور زبان درازیاں و زیادتیاں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ مولانا محترم نے اس وقت سکوت کو نامناسب سمجھا اور محسوس فرمایا کہ ان نام نہاد الزامات کا تحقیقی جائزہ اور ان کی واقعیت و حقیقت کو عوام الناس کے سامنے اجاگر کر کے احقاقِ حق کے تقاضے کو پورا کیا جائے —— چنانچہ اس کتاب میں مولانا محترم زید مجدہٗ نے تقلید کی اہمیت و مشروعیت، امام اعظمؒ کی دنیائے علم و تقویٰ میں علو مرتبت پر عالمانہ گفتگو کے علاوہ غیر مقلدین کے اٹھائے ہوئے چند معروف مسائل کا محققانہ جائزہ پیش کیا ہے —— ساتھ ہی تحریر میں عام مناظرانہ طرز سے احتراز کرتے ہوئے محض ناصحانہ و منصفانہ طریق کا اہتمام بھی کیا ہے۔ کیوں کہ مقصود حق کی وضاحت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ہمیں امید بلکہ یقین ہے کہ یہ کتاب اس باب میں حق و انصاف کے مخلص متلاشیوں کے لئے نہایت مفید و مؤثر ثابت ہوگی بشرطیکہ ضد و تعصب سے آزاد ہو کر کسی تحفظ ذہنی کے بغیر مطالعہ کیا جائے۔

مولانا محترم زید مجدہم مستحق شکریہ ہیں کہ ہم جیسوں کی درخواست پر انہوں نے اپنی تدریسی، انتظامی اور تصنیفی گوناگوں مشغولیات کے باوجود اس وقتی مسئلہ کو مقدم فرماتے ہوئے یہ گرانقدر تحریر مرتب فرمائی۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزاء عطاء فرمائے اور اس کتاب کو شرف قبول عطا فرما کر اس کے نفع کو عام و تام فرمائے۔ آمین۔

محمد عبد القوی
ناظم ادارہ اشرف العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی
حیدرآباد۔ اے، پی۔

****

toobaa-elibrary.blogspot.com

سخنہائے گفتنی

دین کے احکام مجموعی طور پر تین طرح کے ہیں، ایک وہ جن کا تعلق عقیدہ اور ضمیر سے ہے، جن کو ماننے، تسلیم کرنے اور یقین کرنے پر ایمان کا مدار ہے۔ انہیں کو "اعتقادات" یا ایمانیات" کہا جاتا ہے۔ توحید و رسالت، قرآن کی صداقت اور آخرت وغیرہ مسائل اسی قسم کے ہیں، جن میں "مصالحت" اور "لو" اور "دو" کی ادنیٰ گنجائش نہیں ہے' دوسرے وہ جن کا تعلق قلبی کیفیت، عادات اور برتاؤ سے ہے، ان کو "اخلاقیات" کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً سچ بولنے، حسنِ سلوک کرنے، اتفاق، اتحاد اور عجز و انکساری اختیار کرنے اور جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، کبر و تعلی وغیرہ سے اجتناب کرنے کا حکم۔ تیسرے انسانی زندگی کے وہ عملی احکام جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے یا اس کے بندوں کے حقوق سے ہیں، اور ان کو دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً روزہ نماز، حج وزکوٰۃ کی فرضیت، قریبی رشتہ داروں سے نکاح کی ممانعت، طلاق کے ذریعہ رشتۂ نکاح کا خاتمہ، والدین کی حقوق اور زوجین کے اہم حقوق وغیرہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعیت میں خاص طور پر اس قسم کی باتوں کا عہد لیا ہے اور ان سے بے پروائی برتنے پر سخت وعیدیں بیان کی ہیں۔ ——— دین وشریعت کے

یہ تمام حصے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور دین کے حدود اربعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے صریح الفاظ میں ان کو واضح کر دیا ہے، متواتر حدیثیں ... بے غبار کر کے ان کو بیان کرتی ہیں اور اسلام کے عہدِ اول سے آج تک مسلمانوں کے تعامل نے ان کی حقانیت، صداقت، اسلام میں ان کے ثبوت اور دین میں ان کی اہمیت کو اس قدر روشن کر دیا ہے کہ اس میں کسی کے لئے شک وشبہ کی ادنیٰ گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت والجماعت اور سلفِ صالحین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔ کون ہے جس کو خدا کی توحید اور محمدؐ عربی فداہ روحی وابی کی رسالت سے اختلاف ہو؟ (العیاذ باللہ) سچائی کے قابلِ اجر ہونے اور جھوٹ کے نادرست ہونے پر کیا کبھی اتفاقِ رائے نہیں رہا ہے۔ اور کیا کسی نے نماز روزہ کی فرضیت سے بھی انکار کیا ہے؟

چوتھے قسم کے احکام وہ ہیں جو ان عملی احکام کی جزوی تفصیلات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً نماز کے اوقات اور ان کے جائز و مستحب حصے، وضو کی سنتیں اور اس کے نواقض، نماز کے فرائض و سنن کا تعین' طلاق کی مختلف صورتیں اور اس کے اثرات و نتائج، دعا کے آداب وغیرہ۔ اس قسم کے احکام میں قرآنی آیات بہت کم ہیں، قرآنِ مجید نے عام طور پر اعتقادات، اخلاقیات اور زندگی کے مختلف شعبوں کی اصولی احکام ہی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ متواتر حدیثیں جن کو ہر زمانہ میں امت کی ایک بہت بڑی جماعت نقل کرتی آئی ہے، بھی اس باب میں بہت کم ہیں اور اہلِ علم اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان مسائل میں اکثر و بیشتر دلائل ایسے ہیں جن میں ہمیں اپنے قصورِ فہم کی وجہ سے "بظاہر" اختلاف سا محسوس ہوتا ہے اور کتاب و سنت کی تصریحات اس باب میں اس قدر واضح نہیں ہیں کہ ان میں قطعی طور پر ایک ہی رائے قائم کرکے اس پر اصرار اور دوسروں کی رائے سے اختلاف اور اس سے مکمل انکار کو درست کہا جاسکے، دلائل میں اختلاف مختلف وجوہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کبھی "لفظ" ایک ہی ہوتا ہے مگر خود اس ایک لفظ کے اندر ایک سے زیادہ مفہوم کی گنجائش رہتی ہے، مثلاً وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ (المائدۃ: ۶) اس میں عربی قواعد کے لحاظ سے پورے سر کا مفہوم بھی اخذ کیا جاسکتا ہے اور سر کے کچھ حصے کے مسح کا بھی، کہیں ایک حکم کی صراحت موجود ہوتی ہے اور اس پر اتفاق بھی ہوتا ہے لیکن اس حکم کا سبب متعین کرنے اور دوسرے مواقع پر اس کی روشنی میں مسائل حل کرنے میں رائے اور نقطۂ نظر کا اختلاف ہوجاتا ہے، کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کام دو طریقوں سے انجام دیا ہوتا ہے۔ جس راوی نے آپ کا جو طریقہ دیکھا اسے نقل کرتا ہے اور جن لوگوں تک حدیث ان کے ذریعہ پہونچتی ہے وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں، حالانکہ منشائے رسالت یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں توسع سے کام لیا جائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ایک عمل ابتدا میں کیا، بعد کو اس حکم میں تبدیلی کی گئی، اب چوں کہ مجتہد تک قطعی طور پر یہ بات نہیں پہونچ پاتی کہ ان میں سے کون سا عمل آپ کا پہلا عمل ہے اور منسوخ ہے اور کون سا عمل بعد کا ہے اور ناسخ ہے؟ اس کے تعین میں اختلافِ رائے پیدا ہوجاتا ہے۔ کبھی روایات میں ترجیح

کے لئے الگ الگ معیار ہوتے ہیں۔ ایک فقیہ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ایک روایت کو راجح سمجھتا ہے اور دوسرا اس کو مرجوح۔

اس لئے اِن مسائل میں اختلاف بالکل فطری امر ہے اور چوں کہ یہ اختلاف اجتہاد و اخلاص، حق کی تلاش و جستجو اور سنتِ نبویؐ کی اتباع و پیروی کی بنیاد پر ہے اور دین کے حدودِ اربعہ اور کتاب و سنت کے چوکھٹے میں رہتے ہوئے ہے، اس لئے قطعاً مذموم نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے آنحضورؐ کی مختلف سنتیں اور مختلف طریقے زندہ ہوتے ہیں۔ اور وہ عملی زندگی میں جگہ پاتے ہیں، وہ تنگی کے وقت یسر و سہولت کا سامان بنتے ہیں، اگر دین میں یہ بات مطلوب ہوتی کہ ان مسائل میں امتِ مسلمہ کے درمیان سرِمو اختلاف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا دشوار تھا کہ وہ توحید و رسالت اور اقامتِ صلوٰۃ و ایتاءِ زکوٰۃ کے متعلق صریح و واضح ہدایات کی طرح امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے اور نہ پڑھنے اور رفع یدین کرنے اور نہ کرنے اور آمین کے بالجہر یا بالسر کہنے کی بابت بھی اپنی کتاب میں "قولِ فیصل" نازل فرمادیتا، یا اسکی قدرت ان مسائل کو بھی ہم تک اسی تواتر سے پہنچا دیتی جس تواتر کے ساتھ ہم کو نماز کی رکعات کا علم ہے۔ اس قسم کے مسائل کو دین کے بنیادی احکام کا درجہ دیدینا، ان کو بحث و مناظرہ اور فتنہ و جدال کا موضوع بنا دینا اور ان میں حق و باطل کی طرح جوش و خروش کا مظاہرہ، دین میں نسبتاً کم اہم بات کو زیادہ اہمیت دینے کے مترادف اور ایک فتنہ خیز اور تفرقہ انگیز بدعت اور احداث فی الدین ہے اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو نہ صرف توحید کا داعی سنتِ رسولؐ کا محافظ اور بدعت کا ماحی و قامع قرار دیتے ہیں بلکہ کسی اور جماعت کو ان امور میں اپنا شریک و سہیم تسلیم کرنا بھی جن کو گراں خاطر ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان سے ایسی باتوں کا ارتکاب کسی عجوبہ سے کم نہیں ہے۔

مہبط وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین و شریعت کے منشا و روح سے سب سے زیادہ واقف صحابۂ کرام تھے، خود حضورؐ نے صحابہ کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا، ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل میں خود صحابہ رضؓ کے درمیان اختلاف موجود تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ آگ میں پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، عام صحابہ اس کے قائل نہ تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ عیدین میں ہر رکعت میں نو نو دفعہ تکبیر زوائد کے قائل تھے، بعض صحابہ تین تین دفعہ کے اور بعض اس سے زیادہ کے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس بات کو ضروری نہیں سمجھتی تھیں کہ عورتیں غسل میں اپنی چوٹیاں کھولیں، جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ اس کو ضروری جانتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ اور عبداللہ بن عمر رضؓ کا خیال تھا کہ عرفات سے واپسی میں آپؐ کا مقام ابطح پر اترنا ازراہِ عبادت تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اس کو صرف ایک اتفاقی بات کہتے تھے، کسی کا شوہر غائب اور لاپتہ ہو جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ چار سال انتظار کے بعد اس کا نکاح توڑ دیا جائے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جب تک مرد کی موت کی تحقیق نہ ہو جائے عورت اسی حال میں رہے اور دوسرا نکاح نہ کرے لیکن اس کے باوجود یہ تمام صحابہ رضؓ ایک دوسرے کو مخلص بھی سمجھتے تھے، باہم ایک دوسرے کا احترام و اکرام بھی کرتے تھے اور یہ اختلاف کبھی ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کا سبب بھی نہ بن پاتا تھا، وہ ایک دوسرے کے پیچھے بلا تامل

نماز بھی ادا کرتے تھے اور مسائل میں ایک دوسرے کی طرف رجوع بھی فرماتے تھے۔

یہی حال تابعین اور سلف کا رہا ہے، انہوں نے اس اختلاف کو کبھی نزاع و جدال کا سبب بننے نہیں دیا۔ امام سفیان ثوری ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ نہ کہو کہ علماء نے ان مسائل میں اختلاف کیا ہے بلکہ یہ کہو کہ امت کے لئے توسع اور فراخی پیدا کی ہے: لاتقولوا اختلف العلماء فی کذا و قولوا قد وسع العلماء علی الامة بکذا۔ (۱)

وہ سمجھتے تھے کہ ان مسائل میں اختلاف امت کے لئے چنداں مضر نہیں۔ اسی لئے امام مالکؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کو اس بات سے منع کر دیا کہ ان کے مجموعہ حدیث "مؤطا امام مالکؒ" پر جبراً تمام مسلمانوں سے عمل کرایا جائے دین کی روح اور اس کے مزاج و مذاق سے واقفیت نے ان کے اندر رواداری اور فراخ دلی پیدا کر دی تھی، امام احمدؒ پچھنا لگانے کو ناقضِ وضو سمجھتے تھے۔ امام مالکؒ اور سعید بن مسیبؒ کا خیال تھا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص پچھنا لگائے اور وضو کئے بغیر نماز کو کھڑا ہو جائے تو کیا آپؒ اس کی اقتداء کریں گے؟ امام احمدؒ نے کہا کیوں نہیں؟ کیا میں امام مالکؒ کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خلیفہ ہارون نے امام مالکؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے پچھنا لگوانے کے بعد امامت کی اور وضو نہیں کیا، امام ابو یوسفؒ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کی اور کہا کہ آج میں نے اپنے بھائی "اہلِ مدینہ" کی رائے پر عمل کیا ہے۔ امام

---

(۱) المیزان الکبریٰ ۱/۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شافعیؒ بغداد آئے جہاں امام ابو حنیفہؒ کی قبر ہے تو نمازِ فجر اس طرح ادا کی کہ دعاءِ قنوت نہیں پڑھی، حالاں کہ وہ نمازِ فجر میں دعاءِ قنوت کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس قبر والے سے شرم آتی ہے کہ یہاں آکر بھی میں ان کی مخالفت کروں؟ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ سنجیدہ اور اہلِ علم ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کے فہم کا کوئی حصہ عطا کیا ہو وہ اس قسم کے مسائل میں سلفِ صالحین پر طعن و تشنیع اور ان کے اثبات یا رد میں تشدد و غلو کر ہی نہیں سکتے، حافظ ابن تیمیہؒ (ہمارے غیر مقلد بھائی عملاً جن کی تقلید کرتے ہیں)، خود ان کی اس وضاحت میں کس قدر اعتدال ہے:

فان السلف فعلوا هٰذا وهٰذا	سلفِ صالحین نے ایسا بھی کیا ہے اور
.... كانوا يصلون تارة	ایسا بھی .... وہ کبھی نماز
بالجهر بالبسملة وتارة بغير	میں زور سے بسم اللہ کہتے ہیں اور کبھی
جهر وتارة باستفتاح وتارة	آہستہ، کبھی ثناء پڑھتے اور کبھی
بغير استفتاح وتارة برفع	نہیں پڑھتے، کبھی تین مواقع پر
اليدين في المواطن الثلاثة	رفعِ یدین کرتے کبھی نہیں، کبھی
وتارة بغير رفع وتارة يسلمون	دو سلام پھیرتے کبھی ایک ہی پر
تسليمتين وتارة تسليمة واحدة	اکتفا کرتے، کبھی امام کے پیچھے
وتارة يقرؤن خلف الامام	قرآت کرتے، کبھی نہیں کرتے، کبھی

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "الانصاف فی سبب الاختلاف" میں اس طرح کے اقوال جمع کئے ہیں۔

بالسر وتارة لا يقرؤن وتارة	جنازے پر سات تکبیرات کہتے، کبھی
يكبرون على الجنازة سبعاً و	پانچ اور کبھی چار، ان میں بعض لوگ
تارة اربعاً كان فيهم من يفعل	اس طرح عمل کرتے اور بعض اس طرح،
هٰذا وفيهم من يفعل هٰذا	یہ تمام باتیں صحابہؓ سے ثابت ہیں،
كل هٰذا ثابت عن الصحابة	اور یہ مختلف طریقے رسول اللہ صلی
.... وكلاهما ثابت عن النبيﷺ	اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

(۱)

اس طرح غیر اہم بحثوں میں خود الجھنا یا دوسروں کو الجھانا قوم و ملت کے لئے زبردست نقصان اور خسارہ ہے، اس سے فرقہ بندی بڑھتی ہے، اس سے اختلاف و انتشار کو ہوا ملتی ہے جو یقیناً گناہ ہے اور اس سے واقعی اور ضروری مسائل کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے تجربہ ہے کہ اس قسم کا مذاق رکھنے والے لوگ مسلمانوں کی دینی حالت کی اصلاح، عبادات کی طرف دعوت، معاشرہ اور معاملہ کی اصلاح، قوم کی ٹھوس تعمیری خدمت، غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام وغیرہ کے کام بالکل نہیں کر پاتے اور ان کا جوشِ جنون اور جذبۂ اصلاح "قرآتِ فاتحہ" اور "رفعِ یدین" وغیرہ کے مسائل سے آگے گذر کر برف کی طرح جم کر رہ جاتا ہے۔ ہم جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں دین کے بنیادی ارکان توحید، نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کی دعوت ہوتی ہے اور انہیں کی بیعت لی جاتی ہے مگر اس طرح کے غلو کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان ارکانِ خمسہ کے بجائے ہماری مساعی کا نقطۂ آغاز امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرآت، رفعِ یدین، آمین بالجہر، ایک

---

(۱) مجموعہ الرسائل الکبریٰ فصل ۱۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہاتھ سے مصافحہ اور اس طرح کے مسائل سے ہوتی ہے۔ فیاعجباہ ویا اسفاہ۔

اس غلو کا سب سے افسوسناک بلکہ خطرناک پہلو صحابہؓ کے اسوۂ و آثار اور ان کے طریقِ زندگی اور تعامل سے بے نیازی بلکہ ایک درجہ میں اتباعِ سنت کے نام پر اس کا انکار اور اس سے بے نیازی و بے اعتنائی ہے، یہ عاشقانِ توحید، حامیانِ سنت اور ماحیانِ بدعت حضرت عمرؓ و عثمانؓ کی طرف بدعت کی نسبت کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے، تراویح کی ۲۰ رکعتیں "بدعتِ عمری" ہیں اور جمعہ کی اذانِ ثانی "بدعتِ عثمانی" ہے اور عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایات چوں کہ فقہ حنفی کے لئے اساس کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے اس کا احتساب تو گویا ان کا خاص کارِ ثواب ہے کہ آخر اس کے بغیر فقہ حنفی کو مجروح کس طرح کیا جا سکے گا؟

کاش! وہ اس حقیقت کو سمجھتے کہ خلفاء راشدین اور اصحابِ رسولؐ کی سنتوں کی پیروی اور ان کے اسوہ کو مشعلِ راہ بنانے کا حکم بھی اسی حدیث سے ثابت ہے جس کا متبع وہ اپنے آپ کو قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابہؓ میں ہیں جن کو حضورؐ کی بارگاہ میں خاص مقام حاصل تھا، جو ابتداءً اسلام قبول کرنے والوں میں ہیں، جن کو دوبار حبش اور ایک بار مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہے جو غزوۂ بدر میں شریک رہے ہیں۔ خود آپؐ نے لوگوں کو ان سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا۔ صحابہؓ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو کوفہ بھیجا تو اہلِ کوفہ کو لکھا کہ ابن مسعودؓ کو بھیج کر میں ایثار سے کام لے رہا ہوں۔ جن کو آپؐ سے اس قدر قرب تھا کہ وہ آپؐ کے بستر، تکیے، وضو کا پانی

اور نعلین وغیرہ کے ذمہ دار سمجھے جاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن مسعودؓ کے اصحاب اس امت کے چراغ ہیں، اصحاب ابن مسعود سرج ھذہ الامۃ۔

بحیثیتِ مجموعی صحابہ یا کسی خاص صحابی کی ادنیٰ ہتک شان ایک خطرناک بات ہے اور آخرت کے لئے سخت خسارہ کا باعث ہے، ہم نے اپنے بزرگوں (علماءِ دیوبند) کو دیکھا ہے کہ تقلید اور ایک صحابی کے قول کو دوسرے صحابی کی رائے پر ترجیح دینے کے باوجود نہ صرف صحابہ بلکہ بعد کے بزرگوں کے احترام اور ان کی عظمت کا بھی اس قدر خیال رکھا جاتا ہے جس طرح کہ خود اس امام کا جس کے وہ مقلد ہیں، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سوانح نگار نے نقل کیا ہے کہ ان کے درس میں اگر کوئی طالبِ علم کسی محدث پر اعتراض کرتا تو خفگی کا اظہار کرتے اور دلائل کی اس طرح تشریح فرماتے کہ ان کا مسلک ہی قوی محسوس ہوتا۔ ایک دفعہ احناف کی کسی رائے کی توجیہ میں حضرات شوافعؒ کی کسی دلیل کا ایسا دلپذیر جواب دیا کہ ایک صاحب کہہ اٹھے اگر امام شافعیؒ زندہ ہوتے تو وہ بھی آج رجوع کر لیتے۔ مولانا گنگوہی کو ان کی یہ بات ناگوار گذری اور فرمایا کہ اگر امام شافعیؒ زندہ ہوتے تو میرا یہ اعتراض محض ایک طالبعلمانہ اعتراض ہوتا، صحابہ اور خیر القرون کے اختلاف کے بارے میں تمام ہی سلفِ صالحین کا یہی طریق رہا ہے۔ خود امام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں:

لایجوز لاحد ان یظن	کسی کے لئے صحابہؓ کے متعلق یہ گمان
بالصحابۃ انھم بعد رسول	رکھنا جائز نہیں کہ وہ آپؐ کے بعد
اللہ اجمعوا علی خلاف	شریعت کی خلاف ورزی پر متفق ہوگئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

شریعۃ بل ھٰذا من اقوال	تھے، بلکہ اس طرح کی بات ملحدین ہی
اھل الالحاد۔ (۱)	کہہ سکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مطعون کرنا ہمارے یہ بھائی عین تقاضائے ایمان تصور کرتے ہیں، حالانکہ ان سے متعدد روایات براہِ راست صحابہؓ سے منقول ہیں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مناقب پر اپنی تالیف "تبییض الصحیفہ" میں ایسے چھ صحابہ کا ذکر کیا ہے، بعض حضرات نے ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی آپ کا سماع ثابت کیا ہے، گو ان روایات کا مستند ہونا محدثین کے نزدیک مسلمہ نہیں ہے، تاہم صحابی کی زیارت اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہونا یقینی ہے، اور اسی لئے حافظ ذہبی وغیرہ نے آپؒ کے تابعی ہونے کا اقرار کیا ہے ——— اسکے علاوہ اکابر محدثین نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ آپ کی عظمت، جلالتِ علم، ورع و تقویٰ، فہم و فراست اور احتیاط کا اعتراف کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی علمی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ امام شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، حماد بن سلیمانؒ، ابو اسحاق سبیعیؒ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ جیسے لوگ آپؒ کے اساتذہ میں اور یحییٰ بن معینؒ، وکیع بن الجراحؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، مکی ابن ابراہیمؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ جیسے لوگ آپؒ کے براہِ راست اور امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ آپکے بالواسطہ شاگردوں میں ہیں۔

بعض ناواقف خدا ناترس کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ۱۶ ـ ۱۷ احادیث ہی یاد تھیں۔ یہ نہ صرف امام صاحب کے ساتھ بلکہ تاریخ

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہؒ ۳۳/۳۶۔

کے ساتھ بھی ظلم ہے، غیر مقلدوں کے یہاں یہ ایک زبان زد فقرہ ہے جو آپؒ پر بہتان عظیم ہے۔ امام صاحبؒ کی مسانید حدیث جن میں آپ کے تلامذہ نے آپ کی مرویات کو جمع کیا ہے، ان کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، امام صاحب کی روایات کے ہم معنی اور موافقات جو صحاحِ ستہ میں ہیں، علامہ مرتضیٰ زبیدیؒ نے ان کو "عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ مما وافق فیہ الائمۃ الستۃ او احدہم" کے نام سے جمع کر دیا ہے، جن میں ایسی موافق روایات کے عنوانات ۲،۳ ہیں (مطبوعہ: مطبع شبکشی ازہر مصر ۱۳۸۲ھ) جن سے اندازہ ہے کہ کم از کم ۲،۳ روایات تو آپ کی وہ ہیں جو صحاح میں منقول ہیں، رہ گئی یہ بات کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں امام صاحبؒ کی سند سے کوئی روایت ذکر نہیں کی گئی ہے تو اس سے امام صاحب کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، بخاریؒ نے امام شافعیؒ سے بھی کوئی روایت نہیں لی ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے بھی چند ہی روایات لی ہیں، البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امام بخاریؒ کی اکثر "ثلاثیات" مکی ابن ابراہیم سے مروی ہے جو امام صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ اور اپنے استاذ کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ بعض حضرات نے تعصب یا ناواقفیت اور غلط فہمی کی وجہ سے امام صاحبؒ کی ثقاہت پر تنقید بھی کی ہے مگر آپؒ کے مداحوں کے مقابلہ میں وہ بالکل ناقابلِ اعتناء ہے۔ یہ کچھ مجہول اور شاذ اقوال کو بنیاد بنا کر پروپیگنڈہ کرنا دراصل اولیاء اللہ سے کدورت کی علامت ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ ایک تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ فقہاء متبوعین اور ائمہ مقبولین کے خلاف جرح کا اعتبار نہیں۔ حقیقت

یہ ہے کہ اگر اس اصول کو نظر انداز کر دیا جائے تو اکابر محدثین ضعیف اور ناقابلِ اعتبار قرار پا جائیں گے، اس لئے کہ شعبیؒ نے ابراہیم نخعی کو امام زہریؒ نے امام ربیعۃ الرآی کو امام مالکؒ نے ابن اسحاق کو، یحییٰ بن معین نے امام شافعیؒ کو، ابن ابی ذئب وغیرہ نے امام مالکؒ کو، ابن حزم نے ترمذی اور نسائی کو اور امام ذہلی نے بخاریؒ کو مجروح قرار دیا ہے، کیا ان تمام ائمۃ المسلمین اور فقہاء و محدثین کو یک قلم نا معتبر قرار دیا جائے گا ——————— ؟

غیر مقلد حضرات کی طرف سے یہ بات مشہور کی جاتی ہے کہ حنفیہ قیاس و رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ درحقیقت انصاف کا خون کرتے ہیں، شیخ ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے:

ایاکم والقول فی الدین بالرای	دین میں محض رائے زنی سے گریز
وعلیکم بالکتاب وعلیکم	کرو، تم پر کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ
بالسنۃ ومن خرج عنہا	کی پابندی واجب ہے کہ جو ان
ضل۔	حدود سے نکلا وہ گمراہ ہوگیا۔

آپؒ حدیث پڑھ رہے تھے، ایک شخص آیا اور کہنے لگا مجھے ان حدیثوں سے باز رکھو، امام صاحبؒ اس پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا: اگر سنت نہ ہو تو ہم قرآن بھی نہ سمجھ سکیں: "لولا السنۃ ما فہم احد منا القرآن" خود امام ابو حنیفہؒ سے ان کا طریقِ اجتہاد و استنباط ان الفاظ میں مروی ہے:

انا نعمل اولاً بکتاب اللہ	ہم اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں
ثم بسنۃ رسول اللہ ماجاء	پھر سنتِ رسولؐ پر ... اور جو کچھ رسول
عن رسول اللہ فعلی الرأس	اللہ کی طرف سے آئے وہ سر آنکھوں پر ہے
والعین بابی ھو وامی ولیس	آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ہمیں
لنا مخالفتہ وماجاءنا	آپؐ کی مخالفت کا حق نہیں، پھر آپ کے
عن اصحابہ تخیرنا	صحابہؓ سے مختلف اقوال مروی ہوں تو
وماجاء عن غیرھم فھم	ہم ان میں کسی کو ترجیح دیتے ہیں اور
رجال ونحن رجال۔	منتخب کرتے ہیں اور رہے صحابہ کے
∴ ∴ ∴	علاوہ دوسروں کے اقوال تو وہ بھی
(۱)	آدمی ہیں اور ہم بھی۔

افسوس کہ امام ابو حنیفہ کی ایسی ایمان افروز صراحتوں کے باوجود کچھ لوگ ہیں جو ان پر بہتان لگا کر اپنی عاقبت خراب کرنے ہی پر تلے ہوئے ہیں والی اللہ المشتکی۔ نامناسب نہ ہوگا کہ اس موقع پر امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام عبدالوہاب شعرانی شافعی کے چند فقرے نقل کر دوں۔

"میں نے اپنی کتاب "ادلۃ المذاہب" کی تالیف کے وقت بحمد اللہ امام ابو حنیفہ ان کے اصحاب اور متبعین کے اقوال و خیالات کی جستجو کی اور کوئی رائے ایسی نہیں پائی جس کے لئے کوئی آیت، کوئی حدیث، صحابہ کا اثر، آیات و احادیث بالواسطہ اخذ کیا ہوا مضمون (مفہوم) حدیث ضعیف جو مختلف سندوں سے منقول ہے (کہ کثرتِ طرق سے ضعیف روایت بھی اہلِ فن کے یہاں قابلِ قبول ہو جاتی ہے) یا صحیح بنیادوں پر صحیح قیاس موجود نہ ہو جو اس سے واقف ہونا چاہے وہ میری مذکورہ کتاب کا مطالعہ کرے" (۲)

(۱) المیزان الکبریٰ ۱/۷۱۔ (۲) المیزان الکبریٰ ۱/۷۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ تمہیدی سطریں اس لئے لکھی گئی ہیں کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ چند جزوی مسائل کے متعلق جن میں عموماً سلف کے درمیان محض افضل اور غیر افضل کا اختلاف رہا ہے، یہ سمجھا جائے کہ کونسی رائے قابلِ ترجیح ہے، بلکہ سوال یہ ہے کہ دین نے ایسے مسائل کی بابت کیا مزاج بنایا ہے؟ اور ان پر غور و فکر اور بحث و تحقیق کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے؟ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو امت کے درمیان تفرقہ اور انتشار کا سبب بنا لیا جائے، حق و باطل کے تصور کے ساتھ ان پر گرم جوش بحث کی جائے، ملت کا رخ انہیں مسائل کی تحقیق کی طرف موڑ دیا جائے، پھر اس اختلاف میں شدت کی وجہ سے سلفِ صالحین سے بدگمانی پیدا ہو، یہ رفتہ رفتہ زبانِ طعن اور قلم دشنام کو بولنے اور لکھنے کا موقع دے؟ اور غیر مقلد بھائیوں نے بحیثیتِ مجموعی دانستہ یا نادانستہ یہی راہ اختیار کی ہوئی ہے۔

دوسری راہ یہ ہے کہ ان جزوی مسائل کو توسع و فراخی کا سبب بنایا جائے، ان مباحث میں غلو و تعمق سے امت کو روکا جائے، سلف کے اخلاص و تفقہ پر اعتماد برقرار رکھا جائے اور ان کے احترام و عظمت کا انکار نہ ہو بلکہ اعتراف و امتنان ہو، یہی راہ ہے جس کی ہم دعوت دینا چاہتے ہیں، ضرورت ہے کہ مسلمان اس صورت حال پر گہری نظر سے غور کریں اور ہمارے غیر مقلد بھائی بھی اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کریں، کاش جو محنت وہ ان مسائل میں بحث و مناقشہ اور مقلدین کو غیر مقلدیت کی طرف دعوت و ترغیب میں صرف کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی مسلم معاشرہ کی اصلاح، ان کو بنیادی دینی باتوں سے واقف کرنے اور غیر مسلموں میں اسلام کی سادہ تعلیمات کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کرتے!۔

اس کتاب میں چند مسائل پر اختصار کے ساتھ جو بحث کی گئی ہے اس کا منشا صرف یہ بتانا ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ کے درمیان ان مسائل کی بابت جو اختلاف رہا ہے وہ سبھی مبنی بر دلیل ہے، نیز احناف نے جو رائے اختیار کی ہے وہ بھی قوی دلیل سے ثابت ہے، عام پڑھے لکھے لوگ اس پروپگنڈے سے متأثر نہ ہوں کہ احناف کے پاس حدیث نہیں ہے۔

اسی مقصد کے تحت اس کتاب میں ــــ نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ کہاں باندھا جائے؟ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفعِ یدین، آمین زور سے کہی جائے یا آہستہ؟ مردوں اور خواتین کی نماز میں فرق، ایک مجلس کی تین طلاقوں کا متفق علیہ مسئلہ اور مصافحہ کا مسنون طریقہ ــــ پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور حقیقتِ حال کو واضح کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو غلط فہمی سے بچایا جاسکے۔ ان مسائل کے ساتھ "مساجد میں خواتین کی نماز" کے مسئلہ پر راقم الحروف کا ایک فتویٰ بھی شریکِ اشاعت ہے۔

ان مسائل سے پہلے خود تقلید کی حقیقت اور اس کی اہمیت و ضرورت پر ایک مختصر تحریر بھی شامل ہے، اس میں راقم الحروف نے معروف عالم "مولانا سرفراز صفدر صاحبؒ کی "الکلام المفید" سے بھی استفادہ کیا ہے جو حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان میں "تقلید" اور غیر مقلدین کے ابھارے ہوئے مسائل کی وضاحت اور اس کی حقیقت جاننے کے لئے نہایت مفید اور لائقِ مطالعہ کتاب ہے ــــ چوں کہ غیر مقلد بھائیوں کی ایک مستقل مہم استاذ المحدثین، سید الفقہاء، سند المتکلمین امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذاتِ گرامی ہے، جن سے بغض و تکدر کو سلف صالحین نے بدعتی یا رافضی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کی اور جن سے محبت اور حسن ظن کو اہل سنت میں ہونے کی علامت قرار دیا ہے، اس لئے ایک مختصر تحریر خود امام ہمام کے بارے میں بھی اس مجموعہ میں شامل ہے تاکہ بہتان اور سوءِ ظن کے گناہ سے ان بھائیوں کو بچایا جاسکے ۔

اخیر میں عرض ہے کہ میں اس طرح کی تحریروں کا مزاج نہیں رکھتا اور حتی المقدور ایسے موضوع پر قلم اٹھانے سے گریز کرتا ہوں جس سے امت میں اتحاد کی بجائے اختلاف اور اتفاق کی بجائے شقاق پیدا ہو، فاصلے سمٹنے کے بجائے بڑھیں اور دل جڑنے کے بجائے ٹوٹیں، ہندوستان میں مسلمان اس وقت جن حالات سے دوچار ہیں بلکہ پوری دنیا میں امتِ مسلمہ جیسے چو مکھے حملوں کا نشانہ ہے اس وقت صحیح طریقہ یہی ہے کہ ایسے موضوعات کو نہ چھیڑا جائے اور زبان و قلم کو احترام و محبت کا پیغامبر بنایا جائے ۔

مگر افسوس! اور صد افسوس!! کہ ہمارے غیر مقلد بھائیوں کو شاید اس نزاکت اور امت کی اس دشواری کا کوئی احساس نہیں، انہوں نے چند فروعی اور جزوی مسائل کو مقصدِ زندگی بنا لیا ہے گویا حضورؐ کی بعثتِ مبارکہ... خاص انہیں مسائل کے لئے ہوئی تھی، میں اپنے ایک غیر مقلد عالم دوست کو مزاحاً کہا کرتا ہوں کہ حضورؐ نے تو شہادت توحید و رسالت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر بیعت لی تھی لیکن اگر تم لوگ بیعت لو تو شاید قرأۃ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنے پر بیعت لوگے اور ایک مجلس کی تین طلاقوں پر بیعت

ختم کروگے ۔

ہندوستان میں بھی ایک زمانہ میں اس طرح کے مسائل پر مناظروں کی گرم بازاری تھی لیکن حالات نے مسلمانوں کو تعمیری رخ پر سوچنے پر مجبور کردیا اور وہ اختلافِ رائے کے باوجود اتحاد اور باہمی احترام کی راہ پر چلنا سیکھنے لگے تھے، لیکن ادھر غیر مقلد حضرات نے ایک مہم سی چلا رکھی ہے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں ائمہ کے بارے میں اہانت آمیز تبصرے، فقہ کی کتابوں کے بارے میں اپنی کوتاہ علمی اور بے بصیرتی کی وجہ سے نازیبا ریمارک، مقلدین کی تفسیق بلکہ تکفیر! اپنے بارے میں خوش فہمی اور خود فریبی کہ ہم سب سے متبع سنت اور موحد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں سے بے نیازی جن میں کوئی اختلاف نہیں، اباحیت پر مبنی فتاوی مثلاً یہ کہ جن نمازوں کو ادا نہیں کیا ہے، ان کی قضا واجب نہیں، یا یہ کہ جو مقلد تین طلاق ایک مجلس میں دے چکا ہو، اس کی طلاق کو ایک ہی قرار دینا حالاں کہ یہ احادیث صحیحہ ثابتہ اور عہدِ صحابہ سے آج تک کے بزرگانِ اہل سنت کے فتاوی کے مطابق تین طلاقیں ہیں اور خود غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل شاہ نذیر حسین محدث سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص تین طلاق دیتے وقت حنفی تھا اور بعد کو غیر مقلد ہوجائے تو طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی لیکن آج کل کے غیر مقلدین نے اس کو اپنے "مذہب" کی تبلیغ کا گویا ذریعہ بنا لیا ہے ۔

غیر مقلدیت میں اس غلو نے ہمارے بہت سے بھائیوں کو انکارِ حدیث کی دہلیز پر چڑھا دیا ہے، بعض حضرات عذابِ قبر سے انکار کرنے لگے ہیں، بعضوں کا کہنا ہے کہ قبرستان میں "السلام علیکم یا اہل القبور" کہنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

بدعت اور ناجائز ہے، ایک صاحب کہنے لگے کہ یہ بات کہ حضورؐ قیامت کے دن تمام امتوں کے لئے شفاعت کریں گے اور ہر پیغمبر اپنی امت سے شفاعت کے سلسلہ میں معذرت کردیں گے، بالکل غیر درست بات معلوم ہوتی ہے حالانکہ خود بخاری میں یہ روایت موجود ہے، اب کچھ لوگ حضورؐ کے "افضل الانبیاء" ہونے اور آپؐ کو "سید المرسلین" کہنے پر بھی خفا ہیں۔ یہ سب آنکھوں دیکھی باتیں ہیں، ان کو دیکھ کر اس بات پر میرا یقین اور پختہ ہوگیا ہے کہ تقلید دین کی حفاظت اور گمرہی کو روکنے کا بہت قوی اور مؤثر ذریعہ ہے اور صدیوں سے سلف صالحین نے یہ راہ خوب سوچ سمجھ کر اختیار کی ہے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء عنا وعن سائر المسلمین۔

ان حالات کی وجہ سے عرصہ سے مختلف احباب ایک ایسی تحریر کا تقاضا کر رہے تھے جس کا لب ولہجہ شائستہ اور نصح پر مبنی ہو، زبان سادہ و عام فہم ہو اور وہ غلط فہمیوں کا ازالہ اور سچائی سے لوگوں کو آگاہ کرسکے مگر میں اپنی طبعی افتاد کی وجہ سے اس سے گریزاں ہی رہا، یہاں تک کہ محترم جناب عبدالرحیم قریشی صاحب (سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) نے بعض ایسے رسائل کے تراشے بھیجے جو غیر مقلد ذمہ دار حضرات کے زیر ادارت نکلتے ہیں اور ذمہ دار اداروں کے ترجمان ہیں، یہ تحریریں نہایت ناشائستہ ہیں اور کم سے کم جو بات ان کے بارے میں کہی جاسکتی ہیں وہ یہ کہ نہایت دنائت کا مظہر ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

اسی پس منظر میں راقم الحروف نے یہ مختصر تحریر مرتب کی ہے، کوشش کی گئی ہے کہ مثبت انداز میں بات کہی جائے، لب ولہجہ مناظرانہ نہ ہو، اللہ

جانتا ہے کہ اس کے پیچھے عصبیت جاہلیہ کار فرما نہیں ہے بلکہ یہ نصح وخیر خواہی کا ایک تحفہ اور ایک پیغام محبت ہے اور ایک دعوت ہے کہ غیر مقلد حضرات میں ایک اچھا خاصا طبقہ ان مخلصین کا بھی ہے جو اسلام کی سربلندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا جذبہ رکھتے ہیں، وہ خوب سنجیدگی سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ایک ایسی راہ نہ کھولیں جو امت کو انکار کی سمت لے جاتی ہو اور فروعی وجزوی مسائل کو امت میں اختلاف وافتراق کا ذریعہ نہ بنائیں۔

میں اس موقعہ پر محبی فی اللہ جناب مولانا عبدالقوی صاحب (مہتمم مدرسہ اشرف العلوم حیدرآباد) کا خصوصیت سے شکر گذار ہوں کہ اس وقت یہ تحریر انہی کی توجہ سے اشاعت پذیر ہورہی ہے، بلکہ اس کتاب کی تالیف وترتیب میں بھی انکی تحریک اور توجہ دہانی کو خاص دخل ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

خدا کرے کہ یہ تحریر دلوں پر دستک دے سکے اور افراط وتفریط کی اس فضا میں عدل واعتدال کا چراغ روشن کرنے میں کامیاب ہو، وللہ الحمد اولاً وآخراً اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

خالد سیف اللہ رحمانی

بیت العلم، کوتہ پیٹ، بارکس
حیدرآباد
١٠ ذوقعدہ ١٤١٨ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقلید ـــــ حقیقت اور ضرورت

عام طور پر تقلید کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ گویا تقلید حضرات ائمۂ کرام کو رب مان لینے اور ان کو حلال و حرام کا حق دینے کے مترادف ہے، اس لئے یہ شرک ہے اور آج کل غیر مقلد علماء اس کو شرک فی الرسالہ کا عنوان دیتے ہیں۔

یہ محض غلط فہمی اور ناسمجھی کی بات ہے، تقلید کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ نعوذ باللہ ائمہ کو تحلیل و تحریم کا مختار مانا جائے اور سمجھا جائے کہ یہ حضرات بطور خود کسی چیز کو حلال یا حرام کر سکتے ہیں، جو حضرات مقلد ہیں وہ ایسا عقیدہ ہرگز نہیں رکھتے اور اگر واقعی وہ ایسا عقیدہ رکھیں تو یقیناً یہ عقیدہ مشرکانہ ہوگا۔ تقلید کی حقیقت محض یہ ہے کہ جس فقیہ کی تقلید کی جاتی ہے اس کے بارے میں یہ حسنِ ظن ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے منشأ کو صحیح طور پر سمجھ کر ہی اس فقیہ نے یہ رائے قائم کی ہوگی۔ وہ ائمہ مجتہدین کو شارح سمجھتا ہے نہ کہ شارع اور مقصود قرآن و حدیث ہی کی پیروی ہوتی ہے نہ کہ اس امام اور مجتہد کی۔

تقلید کی حقیقت :-

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تقلید کی جو تعریف فقہاء نے کی ہے اس کو سامنے رکھنا کافی ہوگا۔ قاضی عبد النبی احمد نگری کا بیان ہے:

"اتباع الانسان غیرہ فی مایقول بقول اوفعل معتقد الحقیۃ فیہ من غیر نظر وتأمل فی الدلیل" (۱)	ایک شخص کا دوسرے شخص کے قول و فعل کی، دلیل میں غور و فکر کئے بغیر اس کے حق ہونے کا گمان رکھتے ہوئے پیروی کرنا تقلید ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

التقلید العمل بقول من لیس قولہ احدی الحجج بلاحجۃ (۲)	تقلید اس شخص کے قول پر بلاحجت عمل کرنا ہے جس کا قول حجت نہیں۔

ابن ہمام نے جو تعریف کی ہے قریب قریب اسی طرح کے الفاظ امام غزالی، شیخ ابو منصور ماتریدی وغیرہ سے بھی منقول ہیں ـــــ ان عبارتوں سے دو باتیں واضح ہیں۔ اول یہ کہ تقلید کا مقصد بذاتِ خود امام کی اتباع نہیں بلکہ کتاب و سنت کی اتباع ہے، البتہ مقلد کو یہ حسنِ ظن ہوتا ہے کہ اس امام نے جو رائے اختیار کی ہے وہ قرآن و حدیث سے زیادہ موافق اور ہم آہنگ ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص بخاری و مسلم کی کسی حدیث کو اس حسنِ ظن کی بنا پر قبول کرے کہ امام بخاری تحقیق حدیث میں صحیح نتیجہ تک پہونچے ہوں گے حالانکہ احتمال اس میں بھی غلطی کا موجود ہے پس جیسے محدث پر روایت حدیث کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح ایک مقلد امام مجتہد کے بارے میں معانی حدیث کو صحیح طور پر

(۱) دستور العلماء ۱/۲۴۱-۳۔

(۲) تیسیر التحریر ۴/۲۴۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمجھنے کے بارے میں حسنِ ظن اور نیک گمان رکھتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ اس بات کا اضافہ کیجئے تو بات اور منقح ہو جاتی ہے کہ تقلید کے حکم میں یہ بات داخل ہے کہ اس بات کا عقیدہ رکھے کہ اس کا امام غلطی سے معصوم اور مبرّا نہیں ہے اور اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ شاید اس نے صحیح نتیجہ تک پہونچنے میں لغزش کی ہو اور اس کی رائے غلط ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر ائمۂ مجتہدین کو "ارباباً من دون اللہ" کا درجہ دیا گیا ہوتا اور حلال وحرام کی کلید ان کے ہاتھ میں دی گئی ہوتی تو ان کے بارے میں اجتہادی غلطی کا تصور بھی کیوں کر کیا جا سکتا تھا؟

دوسرے تقلید کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ تقلید ایک ایسے شخص کی اتباع کا نام ہے کہ جس کی رائے بذاتِ خود حجت نہیں، گویا مقلد اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ جیسے اللہ اور اس کے رسول کی بات حجت ہے اس طرح ائمہ مجتہدین کی رائے حجت اور دلیل نہیں۔

اس کے باوجود اگر تقلید کو شرک قرار دیا جائے اور مقلدین کے بارے میں کہا جائے کہ وہ ائمہ کرام کو "رب" کا درجہ دیتے ہیں تو یہ کتنی بڑی جسارت اور ظلم کی بات ہوگی۔ اور اس سے بڑھ کر بھی کچھ غلط بیانی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے گمراہوں کی اتباع سے ضرور منع فرمایا ہے لیکن جو لوگ ہدایت یافتہ ہوں، ان کی اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:-

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ	یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔	سے سرفراز فرمایا، اس لئے تم بھی ان
(الانعام: ۹۰)	کے طریقہ پر چلو۔

—— تقلید دراصل اسی حکمِ قرآنی کی تعمیل اور مہتدین کی اقتدار کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد حضرات کی شرک فی الرسالۃ کی نئی اصطلاح بجائے خود مشرکانہ تصور کی غماز ہے، کیوں کہ شرک و توحید کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات سے ہے نہ کہ حضرات انبیاء کرامؑ کی ذات سے۔ نیز حلال وحرام کرنے کا اختیار بھی براہِ راست اللہ کو ہے نہ کہ رسول کو، رسول اس باب میں محض منشائے ربّانی کا ترجمان ہوتا ہے نہ کہ خود کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا مالک ومختار۔ اور یہ تعبیر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ مقام رسالت بھی کسی چیز کو حلال حرام کرنے یا قانونِ شریعت وضع کرنے میں مؤثر اور دخیل ہے —— اس لئے شرک فی الرسالۃ کی تعبیر دراصل بجائے خود ایک مشرکانہ مفہوم کی تعبیر ہے اور غیر مقلد بھائیوں کو اپنے حلقہ کی اس نئی اصطلاح سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اگر مقلدین ائمہ کے اقوال کو نعوذ باللہ شریعت کا درجہ دیتے تو کبھی بھی ائمہ کے اقوال کو چھوڑنا جائز نہیں ہوتا لیکن سیکڑوں مسائل ہیں کہ جہاں مقلدین نے صحیح اور صریح نصوص کی موجودگی یا اپنے امام کے قیاس کے مقابلہ دوسرے قوی تر قیاس کے سامنے آجانے کی وجہ سے اپنے امام کی رائے کو چھوڑا ہے۔ حنفیہ نے سیکڑوں مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے بجائے امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے کو قبول کیا ہے۔ اور ابن نجیمؒ نے حاوی قدسی سے یہ اصول ہی نقل کیا ہے کہ

ان الامام اذا كان فی جانب	امام ابو حنیفہؒ ایک رائے کے حامل ہوں
وهما فی جانب فالاصح ان	اور صاحبین اس کے برخلاف، تو صحیح یہ ہے
الاعتبار لقوة المدرك۔	کہ قوتِ دلیل کا اعتبار ہوگا۔
(البحر: ۶ ۲۶۹)	

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہاءِ شوافع نے دسیوں مسائل میں امام شافعیؒ کے قولِ جدید کے بجائے قولِ قدیم پر فتویٰ دیا ہے، کیوں کہ ان مسائل میں آپ کے قدیم اقوال ظاہرِ نصوص سے زیادہ قریب تھے۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب کے مقدمہ میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے (۱) فقہاءِ حنابلہ کے یہاں بھی کثرت سے یہ روش پائی جاتی ہے کہ امام احمدؒ کے بعض اقوال کو قوتِ دلیل کی بناء پر ترک کیا جاتا ہے۔ جن حضرات نے "المغنی" یا "الاقناع" وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ ضرور اس کی تصدیق کریں گے ـــ مالکیہ کے یہاں گو تقلید میں کسی قدر زیادہ شدت ہے لیکن ابن رشد اور ابن عربی مالکی وغیرہ نے متعدد مواقع پر امام مالک کی رائے کے مقابلہ دوسری آراء کو ترجیح دیا ہے

حنفیہ کے یہاں تو یہاں تک صراحت ملتی ہے کہ اگر کوئی مقلد ایسا صاحب علم اور احکام و دلائل سے آگاہ ہو کہ وہ شارع کے منشا کو سمجھ سکتا ہو، احادیث کی تحقیق کر سکتا ہو اور محقق عالم ہو اور کسی خاص مسئلہ میں اس کو اپنے امام کا مذہب قرآن و حدیث سے زیادہ مطابق نظر نہیں آتا ہو تو اس کے لئے نص پر عمل کرنا اور امام کی رائے کو چھوڑ دینا درست ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں :

فی خزانة الروایات العالم	خزانۃ الروایات میں ہے کہ عالم جو نصوص
الذی یعرف معنی النصوص و	احادیث کے مفہوم و منشا سے واقف
الاخبار وھو من اھل الدرایة	ہو اور اصحابِ درایت میں سے ہو،
یجوز له ان یعمل علیھا وان	اس کیلئے نصوص پر عمل کرنا درست ہے
کان مخالفاً لمذھبه۔ (۲)	گو اس کے مکتبِ فقہی کے خلاف ہوں۔

(۱) تفصیل کیلئے دیکھئے : شرحِ مہذب : ۱/۶۶ ـ (۲) شامی : ۱/۵۱۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن ہمام کی یہ وضاحت بھی بڑی چشم کشا ہے :

اذا رأی القول المخالف لمذھب	اپنے امام کے مذہب کے خلاف قول
امامه دلیلا قویا راجحا اذا	کو دلائل کے اعتبار سے قوی اور راجح
المکلف مامور باتباع نبیه	محسوس کرے تو اس کی طرف عدول کر سکتا
صلی الله علیه وسلم وھذا	ہے، کیوں کہ مکلف رسول اللہ صلی اللہ
ھو الموافق لما روی عن الامام	علیہ وسلم کی اتباع پر مامور ہے، یہ رائے
احمد والقدوری وعلیه مشی	اس کے مطابق ہے جو امام احمد اور امام
طائفة من العلماء منھم	قدوری سے منقول ہے اور اسی پر علماء
ابن الصلاح وابن ھمدان۔	کا ایک گروہ چلا ہے جن میں ابن صلاح
(۱)	اور ابن ہمدان بھی ہیں۔

ماضی قریب کے علماء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ بڑے محقق اور صاحبِ بصیرت عالم گذرے ہیں، وہ فرماتے ہیں :

" البتہ اگر قول ابی حنیفہ کو کسی آیت یا حدیث کے خلاف دیکھیں گے تو اس وقت بیشک اس کو ترک کریں گے ـــــــ اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے اور کچھ نہ ہو اور حدیث معارض ہو تو قولِ امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام میں ہوا ہے کہ امام صاحب نے قدر غیر مسکر کو جائز کہا ہے اور حدیث میں اس کے خلاف کی تصریح موجود ہے، یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اس کے لئے بڑے تبحر کی ضرورت ہے " (۲)

(۱) تیسیر التحریر ۴/۲۵۵۔
(۲) اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ بحوالہ : القول الجلیل ۷۔ حسن العزیز ۴/۲۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک اور موقع پر تقلید شخصی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس حکم کو مقصود بالذات سمجھنا بے شک بدعت ہے لیکن مقصود بالغیر سمجھنا یعنی مقصود بالذات کا مقدمہ سمجھنا یہ بدعت نہیں بلکہ طاعت ہے۔" (۱)

ان سطور سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے کہ تقلید نعوذ باللہ ائمہ فقہ کے اقوال و آراء کو شریعت کا درجہ دینا ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو بڑے بڑے محدثین و فقہاء نے کیسے تقلید کی راہ اختیار کی ہوتی، پھر یہ عجیب اتفاق ہے کہ تفسیر قرآن اور احادیث شریفہ کی تدوین و تشریح کا جو کچھ کام ہوا ہے چند کتابوں کو چھوڑ کر یہ سب مقلدین ہی کا کارنامہ ہے، اگر کتاب و سنت کی ان حضرات کی نگاہ میں اہمیت نہ ہوتی تو ان حضرات نے ان علوم و فنون کو کیسے یہ اہمیت دی ہوتی؟ پھر فقہ کی کتابوں میں آپ قدم قدم پر ملاحظہ کرتے ہیں کہ ہر مسئلے سے متعلق قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں تو ان دلائل کے ذکر کئے جانے کی کیا حاجت ہوتی؟ اور پھر یہ حضرات ان دلائل میں ترجیح اور رد و قدح سے کیوں کام لیتے؟ ظاہر ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان حضرات نے قرآن و حدیث ہی کو قانون کا اصل سرچشمہ سمجھا ہے اور حضرات فقہاء کے قول کو اس کی تشریح کی حیثیت سے قبول کیا ہے اور وہ بھی یہ مانتے ہوئے کہ اس میں غلطی کا امکان موجود ہے ——— اس کے باوجود تقلید کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع کے بجائے شرک وہی شخص کہہ سکتا ہے جو یا تو ناسمجھ اور ناواقف ہو، یا ناسمجھ لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا چاہتا ہو۔

(۱) بوادر النوادر، رسالہ اعداد الجنۃ: ۷۷۹۔

تقلید کیوں ضروری ہے؟

جو لوگ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں، ان پر مطلق تقلید کے واجب ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا، گو اس پر آیات قرآنی اور احادیث کی بھی دلیلیں موجود ہیں لیکن یہ تو ایک معمولی عقل و فہم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ناواقف کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو لوگ واقف و آگاہ ہیں، ان پر اعتماد و اعتبار کرے۔

غور کیا جائے تو فقہی احکام اپنے دلائل کے اعتبار سے چار قسم کے ہیں:-

۱——— جو ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے بھی یقینی ہوں اور اس کے الفاظ غیر مبہم طور پر اپنی مراد پر دلالت کرتے ہوں، مثلاً "حرمت علیکم امہاتکم" یہ آیت قرآنی ہے جو نہایت یقینی اور غیر مشکوک ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہے اور اپنے مفہوم میں بے غبار ہے کہ ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں، ایسے احکام کو "قطعی الثبوت" اور "قطعی الدلالۃ" کہا جاتا ہے۔

۲——— جن کا ذریعہ ثبوت یقینی ہو، لیکن وہ اپنا مفہوم بتلانے میں پوری طرح واضح نہ ہوں مثلاً قرآن مجید نے عدت کو "ثلاثة قروء" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے "قرء" کے معنی عربی زبان میں حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی، اس طرح یہ قطعی الثبوت تو ہے لیکن "ظنی الدلالۃ" ہے۔

۳——— جن کا ذریعہ ثبوت یقینی اور غیر مشکوک نہ ہو، لیکن اس کا مفہوم بالکل واضح اور دوٹوک ہو، مثلاً حدیث میں ہے کہ بغیر پاکی کے قرآن نہ چھوا جائے "لا یمسہ الا الطاھر" ——— چوں کہ یہ خبر واحد ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو قطعی نہیں ہوتی، اس لئے ظنی الثبوت ہے لیکن اپنے مفہوم میں واضح ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہے۔

۴۔ جن کا ذریعۂ ثبوت بھی غیر یقینی ہو اور وہ اپنے مقصود اور مفہوم کے اظہار میں بھی مبہم ہو، جیسے "تحریمھا التکبیر" کہ نماز کا تحریمہ تکبیر ہے، خبر واحد ہونے کی وجہ سے اس کا ذریعۂ ثبوت یقینی نہیں، دوسری طرف "تکبیر" سے "اللہ اکبر" بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مطلقاً اللہ کی کبریائی بیان کرنا مقصود ہے، چاہے اس کے لئے اللہ اکبر کہا جائے یا کوئی اور جملہ، ایسے احکام ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہیں۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ دو ایسی دلیلیں جن کا ذریعۂ ثبوت یقینی یا غیر یقینی ہو اور مفہوم بھی واضح و بے غبار ہو لیکن بظاہر وہ یک دوسرے سے متعارض ہوں، مثلاً قرآن مجید کا ارشاد ہے "انکحوا الایامی منکم"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں خود اپنا نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہیں، تب ہی ان کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بے شوہر عورتوں کا عقد کر دیں۔ دوسری طرف فرمایا گیا "ولا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن"۔ یہاں نکاح کرنے کی نسبت خود عورتوں کی طرف کی گئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔

ایسی صورتوں میں بھی ظاہری تعارض کی وجہ سے احکام ظنی ہو جاتے ہیں اور قطعی باقی نہیں رہتے۔

غور کیا جائے تو ان میں سے پہلی صورت ایسی ہے کہ اس میں نہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ تقلید

درکار ہے، اس کے بعد بقیہ چار صورتوں میں ـــــ کہ اکثر عملی اور فروعی احکام اسی نوع کے ہیں ـــــ اجتہاد و استنباط ضروری ہے جس میں مجتہد کو خاص طور پر تین کام کرنے ہوتے ہیں، اول یہ کہ جن ذرائع سے یہ احکام ہم تک پہونچے ہیں وہ یقینی ہیں یا اس میں غلطی کا امکان بھی ہے۔ کتب حدیث کا ذخیرہ اور اسماء رجال کا پورا فن اسی مقصد کے لئے وجود میں آیا ہے۔ دوسرے ان دلائل کے ذریعہ ہم نے جو مفہوم سمجھا ہے، عربی زبان و قواعد اور اصولِ استنباط کی رو سے یہ کس حد تک صحیح ہے؟ عربی لغت، نحو و صرف، معانی و بیان کے قواعد تو اس کے لئے ضروری ہیں ہی، یہ بھی ضروری ہے کہ اصولِ فقہ پر اس کی وسیع اور گہری نظر بھی ہو۔ تیسرے وہ دو متعارض دلائل میں تاریخی اعتبار سے تقدم اور تاخر کی تحقیق کرے اور یہ نہ ہو سکے تو ایسی تطبیق اور توفیق پیدا کرے اور دونوں کے لئے ایسے محل متعین کرے کہ تعارض ختم ہو جائے ورنہ پھر حدیث و فقہ کے اصول کو سامنے رکھ کر ایک کو ترجیح دے اور دوسرے کو ترک کر دے، ان تین امور کے علاوہ چوتھی چیز جو اس کے لئے نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ شریعت کے مجموعی مزاج و مذاق اور اس کی روح سے آشنا ہو، اس کے لئے فقہی کلیات پر نظر ناگزیر ہے جو "قواعد فقہ" اور "اشباہ و نظائر" کے نام سے مستقل فن کی صورت میں معرضِ وجود میں آچکا ہے۔

اب ایک صورت تو یہ ہے کہ کچھ لوگ اس نوع کے مسائل میں اجتہاد کا فریضہ انجام دیں اور اپنی قوتِ استدلال سے کام لے کر ان کا حل تلاش کریں اور دوسرے لوگ جو علم و فہم کے اعتبار سے آپنے آپ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو اس سے قاصر پاتے ہوں اس حسنِ ظن کے ساتھ ان کی تحقیق پر تکیہ کریں کہ انہوں نے صحیح طور پر احکام کو سمجھا ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا مکلف کیا جائے کہ وہ خود اس کارِ اجتہاد کو انجام دے —— ہر صاحبِ انصاف کہے گا کہ یہ دوسری صورت انسان پر ایک ایسی مشقت کا بار رکھتا ہے جو اس کے لئے ناقابل برداشت بھی ہے اور اس سے زیغ و ضلال کا ایسا دروازہ کھلے گا کہ جس کا سدِ باب کسی طور پر ممکن نہ ہوگا، جب کہ پہلی صورت میں عام انسانوں کے لئے عافیت بھی ہے اور گمرہی کا امکان کم یا بالکل نہیں ہے، اس پہلی صورت کا نام جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا "تقلید" ہے ——

اسی لئے علماء نے ان لوگوں کے لئے جو اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتے ہوں "تقلید" کو واجب قرار دیا ہے۔ آمدی کہتے ہیں:

العامی ومن لیس له اهلیة	عوام اور وہ لوگ جن میں اجتہاد کی
الاجتهاد وان کان محصلا	اہلیت نہیں، اگرچہ وہ اجتہاد میں معتبر
لبعض العلوم المعتبرة فی	بعض علوم کی واقفیت بھی رکھتے ہوں
الاجتهاد یلزمه اتباع قول	ان پر مجتہدین کے قول کی اتباع اور
المجتهدین والأخذ بفتواه	ان کے فتویٰ کو اختیار کرنا اصول فقہ
عند المحققین من الاصولیین[1]	کے محقق علماء کے نزدیک لازم ہے

علامہ ابن ہمام کا بیان ہے:

غیر المجتهد المطلق یلزمه	جمہور کے نزدیک غیر مجتہد مطلق
عند الجمهور التقلید[2]	کے لئے تقلید لازم ہے۔

(۱) الاحکام للآمدی: ۴/۲۲۳۔ (۲) تیسیر التحریر: ۴/۲۴۶۔

غیر مقلد خود مقلد ہیں

اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں میں اجتہاد و استنباط کی صلاحیت نہ ہو، ان کے لئے تقلید کے سوا چارہ نہیں، خود غیر مقلد حضرات کا اپنے آپ کو تقلید سے بری کہنا ایک لطیفہ سے کم نہیں، غور کرو کہ جن مشہور مسائل و احکام میں غیر مقلد حضرات نے احناف یا جمہور امت سے الگ راہ بنائی ہے، ان میں سے اکثر وہ ہیں کہ عہدِ صحابہؓ، عہد تابعین اور ہر دور کے اہلِ علم میں ان کی بابت اختلافِ رائے رہا ہے، اگر یہ حضرات مقلد نہ ہوتے بلکہ خود اجتہاد سے کام لیتے تو ضرور تھا کہ یہ حضرات بھی ان مسائل کی بابت متفق نہ ہوتے اور ان کی رائیں بھی باہم مختلف ہوتیں، لیکن ہندوستان میں مشہور مسائل میں تمام غیر مقلدین ایک ہی نقطۂ نظر کے حامل ہیں —— اسی لئے معروف غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں لکھنوی ثم حیدر آبادی نے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے کہ:

"اہلِ حدیث گو امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کو حرام کہتے ہیں لیکن ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں" (التوحید والسنۃ: ۲۹۳)

تقلیدِ شخصی —— نفس پرستی کو روکنے کا ذریعہ

حقیقت یہ ہے کہ مطلق تقلید کی ضرورت سے کوئی بھی صاحبِ عقل انکار نہیں کر سکتا، اگر کچھ اشکال ہو سکتا ہے تو شخصی تقلید پر کہ تمام مسائل و احکام میں کسی ایک ہی امام و مجتہد کی تقلید کیوں کی جائے —— اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ شریعت میں کچھ واجبات وہ ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو بجائے خود مقصود ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ۔ اور کچھ باتیں وہ ہیں جو اس لئے واجب ہیں کہ وہ ان واجبات کو ادا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، جیسے نماز کی ادائیگی کے لئے گھر سے مسجد تک جانا، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اپنے مال کا حساب کرنا، اگر کوئی شخص سحری کھائے بغیر روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے سحری کھانا، موجودہ زمانہ میں سفر حج کے لئے پاسپورٹ بنانا، غور فرمائیے کہ گھر سے مسجد تک چلنا، اپنے اثاثہ وسرمایہ کا حساب وکتاب کرنا، سحری کھانا اور پاسپورٹ بنوانا اپنی اصل کے اعتبار سے واجب نہیں بلکہ بعض تو سنت ومستحب بھی نہیں ہیں لیکن چوں کہ یہ شریعت کے فرائض وواجبات کے لئے ذریعہ و وسیلہ کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے یہ بھی واجب کہلائیں گے۔

اسی طرح بعض باتیں وہ ہیں کہ بذاتِ خود حرام ہیں جیسے شراب، زنا، چوری وغیرہ اور بعض امور وہ ہیں کہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے حرام نہیں لیکن حرام کا ذریعہ بن سکتے ہیں تو ایسے ذرائع سے بھی بچنا واجب ہے، مثلاً ایک عام آدمی کو بلا ضرورت شرعی شراب خانہ میں جانے سے بھی منع کیا جائے گا کیوں کہ گناہ گار کی صحبت آدمی پر ضرور ہی اپنا اثر ڈالتی ہے، اسی طرح اس بات سے بھی منع کیا جائے گا کہ وہ ایسی محفلوں میں جائے جہاں برہنگی پائے جانے کا غالب گمان ہو جیسا کہ آج کل مغربی ممالک کی کلبوں کے بارے میں سنا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ برائی تک پہنچانے کے ذرائع ہیں۔

ذرائع کو مقصود کے حکم میں رکھنا خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و فرمودات سے ثابت ہے، غور فرمائیے کہ اصل گناہ تو شراب پینا ہے لیکن آپ ﷺ

نے اسی حکم میں شراب کے لئے پھلوں کا رس نچوڑنے والے، نچوڑوانے والے خریدنے اور بیچنے والے اور پلانے والے کو رکھا اور سبھوں پر اللہ کی لعنت بھیجی۔ کیوں کہ یہ سب بالواسطہ طریقہ پر شراب نوشی کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسی طرح اصل حرمت تو سود لینے کی ہے، لیکن آپ ﷺ نے سود دینے والے، سودی کاروبار لکھنے والے اور سودی معاملات پر گواہ بننے والے کو بھی گنہگار قرار دیا، کیوں یہی سودی معاملات کے پنپنے اور فروغ پانے کا باعث ہیں۔

تقلید شخصی کا واجب ہونا بھی دراصل اسی قاعدہ کے تحت ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے خواہشِ نفس کی پیروی کو منع فرمایا ہے اور کتنے ہی مواقع پر اس کی مذمت فرمائی۔ اتباعِ نفس کی حرمت اور گناہ ہونے میں ظاہر ہے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اب غور کیا جائے کہ موجودہ زمانہ میں اگر لوگوں کو کسی ایک فقیہ کی رائے کا پابند نہ کیا جائے اور ان کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنے طور پر جس عالم کی رائے کو بہتر سمجھے قبول کر لیں تو ایسی صورت میں اس بات کا اندیشہ ہے یا نہیں، کہ لوگ مختلف فقہاء کے یہاں سے آسانیوں اور سہولتوں کو تلاش کرنے لگیں اور دین کو کھلونا بنا کر رکھ دیں؟ مثلاً نماز ہی کے مسئلہ کو دیکھ لیجئے کہ اس کا درست ہونا پاک ہونے پر موقوف ہے، حنفیہ کے یہاں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، دوسرے فقہاء کے یہاں نہیں ٹوٹتا، امام شافعی کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانا یا خود اپنی شرمگاہ کو چھونا وضو کو توڑ دینے والا فعل ہے، حنفیہ اور بعض صورتوں میں مالکیہ کے یہاں وضو نہیں ٹوٹتا، مالکیہ کے یہاں جسم کے کسی حصہ سے خون نکل جائے تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

وضو نہیں ٹوٹتا، اکثر فقہاء کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، حنابلہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانا بھی ناقضِ وضو ہے، دوسرے فقہاء کے یہاں اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، ظاہریہ کے نزدیک اگر ہمبستری میں انزال نہ ہو تو غسل کی ضرورت نہیں، دوسرے فقہاء کے نزدیک انزال نہ ہو تب بھی ہمبستری سے غسل واجب ہو جائے گا۔ اب ہوگا یہ کہ ایک شخص نے قہقہہ لگایا تو اس میں شوافع حنابلہ وغیرہ کی رائے لے گا، عورت کو چھوا تو وہاں حنفیہ کی رائے کو قبول کرلے گا، شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے مسئلہ میں مالکیہ کی رائے پر عمل کرے گا، خون نکل گیا تو امام شافعیؒ کی رائے اختیار کرلے گا، بلا انزال ہمبستری کا موقعہ آگیا تو اصحابِ ظواہر سے اتفاق کرے گا، اس طرح بحیثیتِ مجموعی تو کسی کی رائے پر بھی اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔ اور اس طرح خواہشات کی اتباع نماز کو ایک کھلونا بنا کر رکھ دے گی۔

نماز تو ایک معمولی مثال ہے، اس سے بھی زیادہ خراب صورت اس وقت پیش آئے گی جب حلال و حرام کے مسائل میں کوئی شخص مختلف اہلِ علم کی آراء سے سہولتوں اور آسانیوں کا متلاشی ہو، مثلاً بعض محدثین ...... کے نزدیک چند کو مستثنیٰ کرکے تمام دریائی جانور حلال ہیں، یہاں تک کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک دریائی سانپ اور دریائی خنزیر بھی حلال ہیں، اصحابِ ظواہر کا خیال تھا کہ سونا چاندی، گیہوں، جو، نمک اور کھجور ان چھ چیزوں کے سوا تمام اشیاء میں سود حلال ہے عام طور پر غیر مقلدین کا طرزِ استدلال وہی ہے جو اصحابِ ظواہر کا ہوتا تھا۔ ....، بہ ظاہر یہ صورت

سود کے دروازہ کو کھول دیتی ہے۔ اسی طرح بعض علماء سلف کا خیال ہے کہ قرآن میں جس "خمر" (شراب) کا ذکر کیا گیا ہے اس سے محض انگوری شراب مراد ہے جس کی قلیل وکثیر مقدار یکساں طور پر حرام ہے، باقی دوسری چیزوں سے بنائی جانے والی شراب اس وقت حرام ہے جب اتنی مقدار میں ہو کہ اس سے نشہ آجائے، .... بعض اکابر سلف کی طرف نکاحِ متعہ کا جواز منسوب ہے بلکہ ایک محدث کی طرف بیوی کے ساتھ غیر فطری عمل کی اجازت بھی منسوب کی گئی ہے، ویسے ظاہر ہے کہ یہ نسبت قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے، تقلید کے ایک سخت ناقد کے نزدیک جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو اور اس کو نکاح کا پیغام دیا گیا ہو اس کو بے لباس حالت میں بھی دیکھنے کی اجازت ہے، وغیر ذٰلک۔

حالاں کہ ان مسائل کا تذکرہ بھی بارِ خاطر ہے اور ان کے ذکر سے بھی حجاب آتا ہے لیکن ان کا ذکر محض اس لئے کیا گیا کہ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ اہلِ علم ونظر کے یہاں کیسے کیسے تفردات موجود ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں، اگر شخصی تقلید کو واجب قرار نہ دیا جائے اور ہر شخص اپنی رائے کے مطابق احکام و مسائل میں اخذ وانتخاب کا مالک ہو اور نفس پرستی اور اتباعِ ہویٰ نے اس کے دل میں جگہ بنالی ہو تو وہ دین کے نام پر کیا کچھ بد دینیوں کے راستے اپنے لئے نکال لے گا اور اس سے گمراہی کا کیسا چوپٹ دروازہ کھل جائے گا کہ پھر اس کو بند کرنا آسان نہ ہوگا اسی راستہ کو بند کرنے کے لئے خوب سوچ سمجھ کر چوتھی صدی ہجری کے بعد سلف صالحین نے تقلید شخصی کو واجب قرار دے دیا اور آج تک ہر دور کے فقہاء و محدثین اور علماء صالحین اور اپنے عہد کے محققین نے یہی تقلیدِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخصی کی راہ اختیار کی ہے اور اس فتنہ وہوا پرستی کے عہد میں تقلید کو ایک ضرورت تسلیم کیا ہے۔

غیر مقلدیت ـــــ گمراہی کا دروازہ

ممکن ہے غیر مقلد بھائیوں کو یہ بات گراں گذرے کہ تقلید سے آزادی انسان کو نفس پرستی اور بالآخر دین سے آزادی کی طرف لے جاتی ہے ـــــ لیکن یہ ایک حقیقت واقعہ ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلد تحریک کو اٹھے ہوئے بہت دن نہیں ہوئے، شاہ نذیر حسین محدث دہلویؒ سے ہندوستان میں اس فرقہ کی بنیاد پڑی لیکن یہی مختصر عرصہ اس کا اندازہ کرنے کے لئے کافی وشافی ہے۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ خود جماعت غیر مقلدین کے کچھ معتبر علماء کی تحریریں پیش کردی جائیں جن کو اپنی جماعت کی بے سمتی کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ اس سلسلہ میں متفکر تھے۔

نواب صدیق حسن خاںؒ اس گروہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو باوجود ہر قسم کی خامیوں کے قرآن وحدیث کے علم اور ان پر عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس فرقہ کو علم وعمل اور (صحیح دینی) معرفت کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" (۱)

نیز لکھتے ہیں:-

"تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیوں کر اپنا نام خالص موحد رکھتے

(۱) الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ، ص: ۱۳، ط: بیروت۔

اور دوسروں کو (جو تقلید کرتے ہیں) مشرک کہتے ہیں، حالانکہ یہ خود سب لوگوں سے بڑھ کر سخت متعصب اور غالی ہیں۔" (۱)

اور ایک بڑے غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالویؒ (متوفی ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:-

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر وارتداد، فسق وفجور کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداری کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے، گروہ اہلِ حدیث میں جو بے علم یا کم علم، ہو کر ترکِ مطلق تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔" (۲)

سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی اور بدکلامی بھی اس طبقہ میں عام ہے اور ان کے طرزِ عمل کو دیکھ کر مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ "سلف کے ساتھ بدگمانی اور پھر بدزبانی عام طور پر غیر مقلدیت کے لوازم میں سے ہے" ـــــ چنانچہ ایک معروف غیر مقلد عالم مولانا داؤد غزنویؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا:

"جماعتِ اہلحدیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روحانی بد دعا لے کر

(۱) حوالہ سابق، ص: ۱۴۰۔

(۲) رسالہ اشاعۃ السنۃ ج: ۱۱، ط: ۱۸۸۸ء۔

بیٹھ گئی ہے، ہر شخص "ابوحنیفہ" "ابو حنیفہ" کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کہدیتا ہے، پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں، ان میں اتحاد و یکجہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ یاغربۃ العلماء انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ (۱)

ایک اور موقع پر فرمایا:-

دوسرے لوگوں کی یہ شکایت کہ اہلِ حدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں، بلاوجہ نہیں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ بھی کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" (۲)

صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزماں حیدرآبادی رقم طراز ہیں:

"غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائلِ اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلفِ صالحین، صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر میں لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوامؒ اہلِ حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے

(۱) مولانا داؤد غزنوی ص۱۳۶۔ (۲) حوالہ سابق ص۸۷۔

صرف رفعِ یدین اور آمین بالجہر کو اہلِ حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے، باقی اور آداب و سنن اور اخلاقِ نبویؐ سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ، افترا سے پاک نہیں کرتے، ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضراتِ صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں۔" (۱)

دوسرے بزرگوں اور خود جماعتِ غیر مقلدین کے نسبتاً معتدل علماء کے ذہن میں جو خدشہ تھا کہ تقلید سے آزادی کہیں رفتہ رفتہ دین ہی سے آزادی کا باعث نہ بن جائے، وہ ایک حقیقت ہے اور اسی لئے ہندوستان میں گذشتہ ایک صدی میں جتنے لوگوں نے اسلام کے خلاف فتنہ سامانی کی ہے وہ عام طور پر پہلے غیر مقلد ہوئے پھر بد دین، اور غیر مقلدیت نے ان کے حق میں بد دینی کے لئے ایک پل کا کام کیا۔

چند مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

○ مرزا غلام احمد قادیانی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے غیر مقلد ہی بنا، وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا تھا، سینہ پر ہاتھ باندھتا تھا، آٹھ رکعت تراویح کا قائل تھا، جرابوں پر مسح کیا کرتا تھا، سلام پھیرنے کے بعد دعا کو بدعت قرار دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ سفر کے لئے کوئی مسافت مطلوب نہیں، عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ

(۱) حدیث اور اہلحدیث، ص: ۱۰۲۔ بحوالہ: وحید الزماں، نواب لغات الحدیث۔
عہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے خواص کا حال بھی اس سے مختلف نہیں۔ رحمانی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

دو تین کوس ہی ہو، مسافر شرعی ہونے کے لئے کافی ہے۔ (۱)

○ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفۂ اول حکیم نورالدین تھے، وہ بھی غیر مقلد ہوئے، پھر اس کے بعد قادیانی ہو گئے، یہاں تک کہ مرزا صاحب کے خلیفۂ اول ٹھہرے (۲)

○ پاکستان میں قادیانیت کے بہت بڑے مبلغ اور پاکستانی وزیر خارجہ بھی غیر مقلد فرقہ سے ہی تعلق رکھتے تھے، بعد میں قادیانی ہو گئے (۳)

○ ہندوستان میں جن لوگوں نے انکارِ حدیث پر کمر باندھی اور احادیث کی اہانت اور تمسخر کو اپنی تحریروں اور کتابوں کا موضوع بنایا وہ بھی اکثر وہی لوگ تھے جنہوں نے غیر مقلدیت کو اختیار کیا تھا، غالباً ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے انکارِ حدیث کی تخم بوئی معجزات اور دین کے بہت سے مسلمات کا انکار کیا، سر سید احمد خاں کے بارے میں یہ بات محتاجِ اظہار نہیں کہ انہوں نے پہلے حنفیّت چھوڑ کر غیر مقلدیت اختیار کی تھی اور اس پل کو پار کر کے دین کے مسلمات کے ساتھ تمسخر اور احادیث کے ساتھ انکار کے راستہ تک پہونچے اور اسی بنیاد پر علماء سے ان کا اختلاف ہوا۔

○ منکرینِ حدیث میں ایک اہم نام مولوی عبداللہ چکڑالوی کا ہے انہوں نے ہندوستان میں منکرینِ حدیث کو ایک جماعت کی صورت دی اور ان کو اہلِ قرآن سے موسوم کیا، یہ صاحب بھی پہلے غیر مقلد

---

(۱) دیکھئے: سیرت المہدی ۱۳/۲، ذکرِ حبیب /۲۴۲، ملفوظاتِ احمدیہ ۱۹۹/۱، مجددِ اعظم ۱۳۳۲/۲۔

(۲) تاریخِ احمدیہ ۶۹/۴۔

(۳) تحدیثِ نعمت /۳۔

ہوئے پھر منکرِ حدیث (۱)۔

○ ڈاکٹر احمد دین جو الحاد و ارتداد تک پہونچے اور مطلق حدیث کے منکر ہو گئے، وہ بھی پہلے غیر مقلد ہی ہوئے تھے، چنانچہ خود ڈاکٹر احمد دین کا بیان ہے:

"ہم لوگ بھی وحدتِ الٰہی حاصل کرتے ہوئے اہلِ حدیث بنے تھے، پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدتِ الٰہی کے شرک ہے جو نہایت سمجھ سوچ کر بڑے غور سے کیا جاتا ہے" (۲)۔

یہی صاحب آگے لکھتے ہیں کہ کتبِ صحاحِ ستہ قطعی طور پر قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔

○ نیاز فتحپوری ہندوستان میں الحاد و دہریت کے سب سے بڑے نقیب تھے اور اسلام کے مسلمہ عقائد، جنت و دوزخ، حور و قصور، جن و ملک کا نہایت تمسخر کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے، وہ بھی ترکِ تقلید ہی کے راستے پر چلے اور الحاد و دہریت تک پہونچ کر ہی رکے۔

○ ان حضرات کے علاوہ علامہ عنایت اللہ مشرقی، علامہ تمنا عمادی، چودھری غلام احمد پرویز اور مولوی اسلم جیراج پوری وغیرہ جن کا حدیث اور دین کے بعض مسلمہ عقائد سے انکار محتاجِ بیان نہیں، یہ سبھی تقلید سے پہلے آزاد ہوئے پھر اس نوبت تک پہونچے۔

○ اسی طرح اگر ہندوستان میں قرآنِ مجید کی تفسیر بالرآی کا جائزہ لیں تو اس میں بھی یہی طبقہ غیر مقلدین پیش پیش نظر آئے گا، اردو زبان

---

(۱) موجِ کوثر ص۵۲۔

(۲) پیغامِ توحید ص۱۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، ان میں سرسید احمد خاں کی تفسیر القرآن سے بڑھ کر تفسیر بالرأی کا شاید ہی کوئی نمونہ ملے اور گذر چکا ہے کہ یہ صاحب حنفی سے غیر مقلد ہو گئے تھے۔

○ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ جو اساطین علماء غیر مقلدین میں ہیں، انہوں نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے، جس میں اپنے خیال کے مطابق قرآن ہی سے قرآن کی تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے یہ تفسیر تفسیر بالرأی کا اعلیٰ نمونہ ہے، اسی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک معروف غیر مقلد عالم مولانا عبدالاحد خان پوری نے مولانا موصوف کے بارے میں لکھا ہے کہ "ثناء اللہ ملحد، زندیق، جعد اور جہم سے ہزار درجہ بدتر ہے، بلکہ تمام کفار روئے زمین سے بدتر ہے" (۱)۔ ایک اور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق غزنوی نے اس تفسیر پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس شخص نے تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ دی (۲)۔

دراصل ترکِ تقلید سے انکار، سلف صالحین پر بے اعتمادی اور بے اعتمادی سے آگے گذر کر بے احترامی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک اور اندوہناک بات ہے، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ صحابہؓ کرام کے بارے میں بھی غیر مقلد اہلِ علم کی زبان حدِ احتیاط سے گذر جاتی ہے۔ مثلاً نواب وحید الزماں حیدر آبادی نسبتاً محتاط اور معتدل غیر مقلد علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، صحابہ کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا "کچھ صحابہ فاسق تھے جیسا کہ ولید اور اس کے مثل کہا جاوے گا معاویہ

(۱) الفیصلۃ الحجازیۃ: ص ۶۔

(۲) الاربعین، ص ۳۔

عمرو، مغیرہ، سمرہ کے حق میں "لا یجوز لھم الترضی"، "ان کو رضی اللہ عنہ کہنا جائز نہیں" (۱)۔ انہیں صاحب کا بیان ہے: اس میں کچھ شک نہیں کہ معاویہ اور عمرو بن عاص دونوں باغی، سرکش اور شریر تھے" (۲)

یہ بات عجیب لگتی ہیں کہ جیسے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عہد میں روافض کو آپؒ سے عناد تھا اور ہندوستان میں سب سے پہلے شیعہ روافض ہی نے امام ہمام کے خلاف قلم اٹھایا (۳)، اسی طرح غیر مقلد حضرات، جو اس زمانہ میں امام صاحب کے خلاف دریدہ دہنی کر رہے ہیں۔ بھی فکری اور فقہی اعتبار سے روافض سے ایک طرح کا قرب رکھتے ہیں۔ نواب وحید الزماں صاحب کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو:۔

"امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے، اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے، امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کے شیخ ہیں، اور امام بخاریؒ کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے ..... اللہ تعالیٰ امام بخاریؒ پر رحم کرے، مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق سے جو ابنِ رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں" (۴)

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:۔

"اور بخاریؒ پر تعجب ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت نہیں

(۱) نزل الابرار ۹۴۔

(۲) رسائل اہلحدیث ۹۳۔

(۳) دیکھئے: مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی کی کشف الحجاب: ۹۔

(۴) لغات الحدیث ۱/ ۶۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی اور مروان وغیرہ سے روایت کی جو اعداءِ اہلِ بیت علیہم السلام تھے۔" (۱)

یہ بارہ امام کا تصور بالکل شیعہ حضرات کا ہے اور حضراتِ اہلِ بیت کے لئے "علیہم السلام" کے لفظ کا استعمال بھی قابلِ توجہ ہے! ——

نواب صاحب نے اپنی کتاب "ھدیۃ المہدی" میں تفصیل سے اہلِ تشیع کے بارہ اماموں کا ذکر فرمایا ہے اور اخیر میں دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بارہ اماموں کے ساتھ میرا حشر کرے (۲)

○ ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق بنارسی کا حال یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کر کے ارتداد کیا اور اگر بلا توبہ ان کی موت ہوئی ہو تو یہ کفر پر موت ہے (والعیاذ باللہ) شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالرحمان پانی پتی نے مولانا بنارسی سے اس کو نقل کیا ہے (۳)

○ ایک غیر مقلد عالم خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی (نعوذ باللہ) کم علمی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:-

"پس آؤ، سنو، بہت صاف اور موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ان میں غلطی کی، ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروقِ اعظم بے خبر تھے۔" (۴)

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں ان حضرات سے بعید از قیاس نہیں ہیں، کیوں کہ یہ تراویح کی ۲۰ رکعات کو "بدعتِ عمریؓ" اور جمعہ

---

(۱) حوالہ سابق ۲/۳۹۔
(۲) ہدیۃ المہدی/۱۰۳۔
(۳) کشف الحجاب ۲۱۔
(۴) طریق محمدی ۵۴۔

اذانِ ثانی کو "بدعتِ عثمانی" کہتے ہیں اور معلوم ہے کہ بدعت بدترین گناہ اور موجبِ فسق ہے تو کم علمی کی بات تو بہرحال اس سے کم تر ہے۔

○ بدگمانی اور بے احترامی کی کوئی منزل نہیں آتی، جہاں کچھ غیر مقلد اہلِ علم نے عام صحابہ کو ہدفِ طعن بنایا وہیں بعض حضرات نے حضراتِ اہلِ بیت کی شان میں وہ کچھ کہا جو کسی طرح خانوادۂ نبویؐ کے شایانِ شان نہیں، حکیم فیض عالم پاکستان کے ایک غیر مقلد عالم ہیں، وہ خلیفۂ راشد سیدنا حضرت علیؓ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"سیدنا علی کے خود ساختہ حکمرانہ عبوری دور کو خلافتِ راشدہ میں شمار کرنا صریحاً بددیانتی ہے مگر اغیار نے جس چابک دستی سے آنجناب کی نام نہاد خلافت کو خلافتِ حقہ ثابت کرنے کے لئے دنیا کے سبائیت سے درآمد مواد سے جو کچھ تاریخ کے صفحات میں قلم بند کیا ہے، اس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔" (خلافتِ راشدہ ۶۵)

○ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما — جن کو آپؐ نے نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا — کے بارے میں انہیں صاحب کا بیان ہے:

"حضرات حسنین کو زمرۂ صحابہ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی ہے یا اندھا دھند تقلید کی خرابی۔" (سیدنا حسن بن علی ۳۲)

○ یہی مصنف حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"ابن سبا کے کمیونسٹ نظریہ سے متأثر ہو کر ہر کھاتے پیتے مسلمان کے پیچھے لٹھ لے کر بھاگ اٹھتے تھے۔" (خلافتِ راشدہ: ۴۳)

○ ایک اور غیر مقلد عالم مولانا امین احسن اصلاحی صحابیٔ رسولؐ حضرت ماعزؓ کے بارے میں رقمطراز ہیں: ——————

toobaa-elibrary.blogspot.com

"اس کا کردار نہایت بدخصلت گنڈے کا کردار تھا، نبی کریمؐ اور آپؐ کے صحابہ کسی غزوہ کیلئے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا" (تدبر قرآن ۵/۳۰۰)

یہی صاحب صحابیۂ رسولؐ حضرت غامدیہؓ کو آزاد قسم کی بدپیشہ عورت قرار دیتے ہیں۔ (حوالہ سابق ۵/۳۷۲)

غیر مقلدیت کے تحریک کا اصل دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم صرف حدیث پر عمل کریں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دانستہ یا نادانستہ ان حضرات نے حدیث کے اعتماد و اعتبار کو جو نقصان پہنچایا ہے، شاید کسی اور طبقہ نے پہنچایا ہو، ہندو پاک میں اکثر منکرینِ حدیث کا خمیر غیر مقلدیت ہی سے بنا ہے، پہلے قلم ان احادیث ثابتہ کے خلاف اٹھتا تھا جو فقہ حنفی کی تقویت کا باعث تھیں مگر نفی و انکار کی اس دھن میں شاید ہی کسی مجموعۂ حدیث کی آبرو بچ جائے۔

○ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ پر افک (تہمت اندازی) کی حدیث آئی ہے، یہ حدیث ام المومنین کی طہارت و پاکیزگی اور عفتِ مآبی کو ظاہر کرتی ہے، ایسی شانِ عفت کہ قرآنِ مجید میں اس کے ذکر کی وجہ سے اب اس کا انکار کفر ہے، لیکن حکیم فیض عالم صاحب اسی حدیث کے روایت کرنے کی وجہ سے امام بخاری پر از حد خفا ہیں اور کہتے ہیں:

"ان محدثین، ان شارحین حدیث، ان سیرت نویس اور ان مفسرین کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اتنی بات کا تجزیہ یا تحقیق کرنے سے بھی عاری تھے کہ یہ واقعہ سرے سے ہی

غلط ہے، لیکن اس دینی و تحقیقی جرأت کے فقدان نے ہزاروں المیے پیدا کئے اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہمارے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرمادیا وہ صحیح اور لاریب ہے خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، انبیائے کرام کی عصمت، ازواج مطہرات کی طہارت کی، فضائے بسیط میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں، کیا یہ امام بخاریؒ کی اسی طرح تقلید جامد نہیں جس طرح مقلدین ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں؟" (۱)

دورانِ بحث لکھتے ہیں:

"دراصل امام بخاری میرے نزدیک اسی روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں" (۲)

معلوم ہے کہ "مرفوع القلم" غیر مکلف نابالغ اور پاگل کو کہا جاتا ہے۔

○ امام ابو عیسیٰ ترمذی کے مجموعۂ حدیث "سننِ ترمذی" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"امام مسلم سے تقریباً ۱۲ برس بعد ابو عیسیٰ محمد ترمذی نے یہ وضعی روایات اپنی کتاب میں درج کی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کی وفات کے بعد کسی سبائی ٹکسال میں انہیں گھڑا گیا ہے" (۳)

○ مسند امام احمد بن حنبل اہلِ سنت والجماعۃ کی احادیث کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) صدیقۂ کائنات ۱۰۶۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) صدیقۂ کائنات: ۱۰۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"مسند امام احمد بن حنبل کا جامع اول ابو بکر شافعی کے نام سے مشہور ہے، حقیقت میں یہ شخص رافضی تھا اور بظاہر شافعی بنا ہوا تھا ۔۔۔۔ مسند کا جامع دوم ابو بکر قطیعی (متوفیٰ ۳۶۸ھ) ہے، یہ بھی شیعہ تھا ان دونوں شیعوں نے امام احمد اور ان کے بیٹے عبداللہ سے کچھ حدیثیں لے کر ان میں جابجا اپنے مسلک کے مطابق محو و اثبات کر کے شیعی روایات کے الفاظ کو بدل کر اپنی خود ساختہ حدیثوں کے مناسب اسناد جوڑ کر چھ جلدوں میں ایک ضخیم مجموعۂ احادیث مدون کر ڈالا" (۱)

ابن شہاب زہری وہ بلند پایہ محدث ہیں، جن کو "اولین مدو حدیث" کہا گیا ہے، اوّل من دوّن الحدیث ... یہ تمام کتب احاد کے ایک مرکزی راوی ہیں، لیکن بعض غیر مقلد اہلِ علم کی نظرِ عنایت یہ بھی محفوظ نہیں ہیں، حکیم محفوظ عالم صاحب کا خیال ہے کہ:

"ابن شہاب منافقین وکذابین کے دانستہ نہ سہی، نادانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے، اکثر گمراہ کن، خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں" (۲)

غور فرمائیے کہ جب حدیث کے تمام ذخیرے ہی نامعتبر ٹھ اور فقہ وحدیث کی بڑی بڑی شخصیتوں ہی کو مجروح کر دیا جائے اب ایسی روایتوں پر کون اعتبار کرے گا؟ ——— کیا یہی حد کی خدمت ہے؟

(۱) خلافت راشدہ/۱۱۸۔

(۲) صدیقۂ کائنات ۸۰۔

اسی لئے ایک معروف غیر مقلد عالم مولانا قاضی عبدالواحد خانپوریؒ اپنی جماعت کی فکری بے سمتی بلکہ فکری آوارگی کا رونا اس طرح روتے ہیں:-

"پس اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین، مخالفین سلفِ صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں، وہ صفت میں وارث وخلیفہ ہوئے ہیں شیعہ وروافض کے، یعنی جس طرح شیعہ پہلے مسلمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق تھے اور مدخل زنادقہ ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے مثل اہل تشیع کے، پھر ملاحدہ مرزائیہ قادیانیہ نکلے تو انہوں نے بھی ان ہی کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور جماعات کثیرہ کو ایمان سے مرتد اور منافق بنایا اور جب ملاحدہ زنادقہ چکڑالویہ نکلے تو بھی ان ہی کے دہلیز اور دروازہ سے داخل ہوئے اور ایک خلق کو ان سے مرتد بنایا اور جب یہ مولوی ثناء اللہ خاتم الملحدین نکلا تو وہ بھی جہالِ اہلحدیث کے باب اور دہلیز سے داخل ہو کر کیا جو کچھ کیا" (۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا تذکرہ بھی اس حقیر کے لئے بارِ خاطر ہے اور خدانخواستہ ایسا نہیں ہے کہ تمام غیر مقلدین گمراہی کے دروازہ پر کھڑے ہیں، ان میں مخلصین و صالحین بھی ہیں اور بعض معتدل الفکر حضرات بھی ہیں، دگر اس گروہ میں عام طور پر فکری اعتدال اور حکیمانہ طرزِ عمل کا فقدان ہے، اس

(۱) کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ/ ۶۲ — ۶۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحریر سے ان بھائیوں کی دل آزاری ہرگز مقصود نہیں بلکہ مقصود محض اس قدر ہے کہ ٹھنڈے دل سے غیر جذباتی ہو کر اس مسئلہ پر غور کریں اور دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تقلید سے آزادی کی یہ راہ بددین اور ہوئی پرست لوگوں کے لئے خود دین سے آزادی کا ایک ذریعہ بن جائے۔ انشاء اللہ غور و فکر کی نظر اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ ہمارے مخلص غیر مقلد بھائیوں کو بھی سوچنے پر مجبور کرے گا کہ تقلید اس زمانہ میں ہدایت پر استقامت اور گمرہی سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

علامہ اقبالؔ بھی ایک زمانہ میں تقلید کے بڑے مخالف تھے لیکن بالآخر تجربات نے ان کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا، اور اقبالؔ نے کہا:

اجتہاد اندر زمان انحطاط — قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہاد عالمان کم نظر — اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

کہیں تقلید کو امت کی جمعیت کے قائم رہنے کا رمز قرار دیتے ہیں:

مضمحل گردد چو تقویم حیات — ملّت از تقلید می گیرد ثبات
راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است — معنی تقلید ضبط ملت است

تقلید شخصی اور حدیث

تقلید شخصی کے واجب ہونے پر یہی دلیل کافی ہے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عہدِ رسالت اور عہد صحابہ میں تقلیدِ شخصی کی کوئی نظیر نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن بھیجا، تاکہ وہ وہاں انتظامی امور کو بھی انجام دیں اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ

بھی انجام دیں، اسی لئے آپؐ نے حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر کوئی معاملہ پیش آئے تو کس طرح اس کا فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے ذریعہ، فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ مل پائے؟ عرض کیا: سنتِ رسولؐ کے ذریعہ، ارشاد فرمایا: اگر سنتِ رسول میں بھی نہ مل پائے حضرت معاذ نے عرض کیا کہ اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر مارا اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے خود اللہ کا رسول راضی ہے۔ "الحمد للہ الذی وفق رسول رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما یرضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (۱) ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا حضرت معاذ کو بھیجنا اور ان کو مسلمانانِ یمن پر رہنما بنانا، مسلمانانِ یمن کے لئے اس بات کی تعلیم ہے کہ وہ حضرت معاذ کے فتاویٰ پر عمل کریں اور اسی کا نام تقلیدِ شخصی ہے کہ آدمی اپنے مسائل میں کسی ایک مجتہد کی طرف رجوع کرے ـــــــــ اور یہ کچھ حضرت معاذ ہی پر موقوف نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اہلِ مدینہ کی تعلیم کے لئے مدینہ بھیجا، اسی طرح وقتاً فوقتاً مختلف صحابہؓ کو مختلف علاقوں اور مختلف قبائل میں تبلیغ اور تعلیم کے نقطۂ نظر سے روانہ فرمایا، ظاہر ہے کہ اس علاقہ اور قبیلہ کے مسلمان شرعی احکام و مسائل میں انہیں سے رجوع کرتے تھے، اور انہیں کے فتاویٰ کی اتباع کرتے تھے، یہی تقلید شخصی ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الاقضیہ، باب اجتہاد الرای فی القضاء ۲ / ۵۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ (۱) مجھے نہیں معلوم کہ کب تک تمہارے درمیان زندہ رہوں گا، لہٰذا میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدار کرنا۔

ظاہر ہے کہ اقتدار سے مراد احکام دین میں کسی کی پیروی کرنے کے ہوتے ہیں، یہی تو تقلید شخصی ہے کہ کسی خاص شخص کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی پیروی کی جائے، گویا اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کے بعد عہد صحابہ میں جو لوگ خود اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، اگر وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی تقلید شخصی کرلیتے تو یہ کافی ہوجاتا لیکن چونکہ یہ زمانہ حضورؐ سے قریب ترتھا بہت سے فقہاء و مجتہدین موجود تھے، خیر کا غلبہ تھا اور ہوا پرستی بھی اس درجہ نہ تھی جو اس زمانہ میں ہے، اسلئے یہ حکم وجوب کے درجہ میں نہیں تھا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے جو چیز عبداللہ ابن مسعود پسند کریں اسے میں نے بھی پسند کیا "رضیت لکم مارضی لکم ابن ام عبد" (۲)
یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی تقلید و اقتدار کے جائز ہونے کا اعلان اور اپنی طرف سے فقہ ابن مسعودؓ کی توثیق و تعدیق ہے۔

تقلید شخصی ——— عہد صحابہؓ میں :-

(۱) ترمذی ۲/ ۲۰۷، مناقب ابی بکر الصدیق ۔ (۲) مستدرک حاکم ۳/ ۳۱۹۔

عہد صحابہ میں بھی تقلید شخصی کی نظیریں مل جاتی ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ جس کو قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو وہ ابی ابن کعبؓ کے پاس جائے، جس کو فرائض و میراث کے بارے میں معلوم کرنا ہو، اسے زید بن ثابت کے پاس جانا چاہئے اور جسے کوئی فقہی مسئلہ دریافت کرنا ہو، اسے حضرت معاذ ابن جبلؓ کے پاس جانا چاہئے، پھر ازراہ تواضع فرمایا کہ اور اگر کسی کو مال طلب کرنا ہو تو وہ میرے پاس آئے، کیونکہ اللہ نے مجھے اس پر نگراں اور تقسیم کنندہ بنایا ہے (۱) ——— حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد گویا عام لوگوں کو فرائض میں حضرت زید بن ثابتؓ اور عام احکام میں معاذ ابن جبلؓ کے فتاویٰ پر اعتماد کی تلقین تھی۔

حضرت عمرؓ نے جب عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا امیر بنا کر اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کے نام خط لکھا کہ یہ بدری صحابہ ہیں لہٰذا ان کی اقتدار کرو اور ان کی بات سنو "فاقتدوا بہما واسمعوا من قولہما" ——— اس میں بھی گویا اہل کوفہ کو اس بات کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ وہ ان حضرات کے فتاویٰ پر عمل کیا کریں اور خود رائی نہ برتیں۔

حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں بہت سے مجتہدین کی موجودگی نیز خدا ترسی اور بحیثیت مجموعی خیر کے غلبہ کی وجہ سے تقلید شخصی کی زیادہ حاجت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود فی الجملہ تقلید شخصی کا تصور اس

(۱) مجمع الزوائد ۱/ ۱۳۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عہد میں بھی موجود تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اہلِ مدینہ
اس عورت کے بارے میں دریافت کیا جس نے طوافِ زیارت کرلیا
اور اس کے بعد اسے حیض شروع ہوگیا ہو، حضرت ابن عباسؓ نے فرما
وہ طوافِ وداع کو چھوڑ کر واپس جاسکتی ہیں لیکن اہلِ مدینہ نے ان
رائے کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم آپ
رائے کو لے لیں اور حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے کو چھوڑ دیں "لا نا
بقولك وندع قول زيد" (۱)۔

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گ
آپؓ نے اپنی رائے کے مطابق مسئلہ بتادیا، لیکن فرمایا کہ حضرت عبدا
ابن مسعودؓ سے بھی اس مسئلہ کے متعلق دریافت کرلو، حضرت عبداللہ بن م
نے جو فتویٰ دیا وہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مختلف تھا، جب حضر
ابو موسیٰ کو اطلاع دی گئی تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی نسبت سے فر
کہ جب تک تمہارے درمیان یہ متبحر عالم موجود ہے، مجھ سے مسئلہ دریا
نہ کیا کرو "لا تسئلوني مادام هذا الحبر فيكم" (۲)

خود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا حال یہ تھا کہ ان کی اور حضرت
عمرؓ کی رائے میں بڑا توافق پایا جاتا تھا اور کہیں ان کی اور حضرت ع
کی رائے میں اختلاف ہوتا تو اپنی رائے پر حضرت عمرؓ کی رائے
ترجیح دیتے، یہاں تک کہ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ
مسعودؓ (فجر میں) دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے، اگر حضرتِ عمرؓ پڑھتے

(۱) بخاری، باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت

(۲) بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث ابنة ابن مع ابنة ۲/۹۹۷۔

تو ضرور تھا کہ آپؓ نے بھی پڑھا ہوتا "ولو قنت عمر لقنت عبد الله" (۱)

تقلیدِ شخصی ـــــ محدثین اور سلفِ صالحین کا تعامل

تقلید کے جائز اور درست ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ سلفِ صالحین کا ہمیشہ سے اس پر عمل رہا ہے، گو تقلیدِ شخصی کا عموم چوتھی صدی ہجری میں ہوا جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اشارہ فرمایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسری ہی صدی سے تقلید کا رواج ہو چکا تھا اور بڑے بڑے اہلِ علم، محدثین اور فقہاء... بھی تقلید ہی پر عامل تھے. بطورِ نمونہ چند اہم نام یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ لیث ابن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) بڑے محدث اور فقیہ تھے، وہ حنفی المسلک تھے، مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں کے الفاظ میں "وے حنفی مذہب بود و قضائے مصر داشت" (۲)

۲۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ جماعتِ محدثین کے سرخیل ہیں۔ ۱۸۱ھ میں وفات پائی، وہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب و مقلدین میں ہیں (۳)

۳۔ وکیع بن جراحؒ (متوفی ۱۹۷ھ) بڑے بلند پایہ محدث ہیں اور امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر محدث اور فقیہ ان کے تلامذہ میں ہیں، یہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے، حافظ ذہبی کا بیان ہے "كان يفتي بقول ابي حنيفة"، (۴) اور حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں: "كان يفتي

(۱) اعلام الموقعین ۱/۱۶۔ (۲) اتحاف ۲۳۷۔

(۳) شرح مؤطا الباجی مالکی ۳۰۰/۷، مفتاح السعادة ۲/۱۱۲۔

(۴) تذکرة الحفاظ ۱/۲۸۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

برأی ابی حنیفة"(۱)

۴۔ یحیٰی بن سعید القطانؒ جن کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی، فنِ رجال کے پہلے ناقد اور سید الحفاظ ہیں، یہ بھی حنفی ہیں، حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے "یفتی بقول ابی حنیفة"(۲)

۵۔ یحیٰی بن معینؒ (متوفیٰ ۲۳۳ھ) جرح و تعدیل کے امام اور حدیث میں استاذ الاساتذہ ہیں، ان کے بارے حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ان کا شمار غالی حنفیوں میں تھا (۳) چنانچہ یحیٰی بن معین خود فرمایا کرتے تھے کہ فقہ تو امام ابوحنیفہ کی فقہ ہے اور کہتے تھے کہ اسی پر ہم نے لوگوں کو پایا" الفقه فقه ابی حنیفة علیٰ هٰذا ادرکت الناس"(۴)

۶۔ امام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (متوفیٰ ۲۰۸ھ) کا شمار بڑے حفاظِ حدیث میں ہے، یہ فقہِ مالکی کے پیرو تھے" احد فقهاء المصر من اصحاب مالك"۔(۵)

۷۔ امام ابوبکر احمد ابن محمد اثرمؒ (متوفیٰ ۲۶۰ھ) بڑے محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں، یہ امام احمد ابنِ حنبلؒ کے پیرو تھے (۶)

۸۔ امام ابوبکر احمد بن محمد المروزی (متوفیٰ ۲۷۵ھ) بڑے ائمہ حدیث میں ہیں اور حنبلی المذہب ہیں:" اجل اصحاب احمد ابن حنبلؒ"(۷)

---

(۱) جامع بیان العلم ۱/۱۴۹۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۸۲۔ تہذیب التہذیب ۲/۴۵۰۔

(۳) مقدمہ نصب الرایہ ۱/۴۲۔

(۴) تبییض الصحیفة ۱۱۵۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۱۶۔

(۶) تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۳۵۔

(۷) حوالہ سابق ۲/۱۸۵۔

۹۔ مشہور محدث امام بخاریؒ (متوفیٰ ۲۵۶ھ) کو علامہ سبکیؒ نے فقہائے شوافع میں شمار کیا ہے (۱) نیز غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کو بھی ان کے شافعی المذہب ہونے کا اعتراف ہے (۲)

۱۰۔ امام ابوداؤدؒ (متوفیٰ ۲۷۵ھ) کے بارے میں نواب صدیق حسن خاں کے بقول اختلاف ہے کہ وہ شافعی تھے یا حنبلی (۳) گویا تھے بہرحال مقلد ہی۔

۱۱۔ امام محمد ابن شعیب نسائیؒ (متوفی ۳۰۳ھ) جو سننِ نسائی کے مؤلف ہیں، فقہ شافعیؒ کے مقلد تھے، خود نواب صاحب کو اعتراف ہے کہ یہ شافعی المذہب تھے" وکان شافعی المذهب"(۴)

۱۲۔ مشہور محدث ابوعوانہ اسفرائینیؒ (متوفیٰ ۳۱۶ھ) جن کی کتاب صحیح ابوعوانہ ہے، شافعی المسلک تھے، خود حافظ ذہبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔(۵)

۱۳۔ امام طحاویؒ (متوفیٰ ۳۲۱ھ) بڑے پایہ کے محدث ہیں اور مشکلاتِ حدیث کے حل میں ان کا جواب نہیں، حنفی المسلک تھے۔(۶)

۱۴۔ امام اسحاق ابن راہویہ کو سبکیؒ نے شوافع میں شمار کیا ہے (۷)

۱۵۔ محدث دارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ) بھی شوافع میں شمار کئے گئے ہیں(۸)

---

(۱) دیکھئے، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/۱، مطبوعہ مصر۔

(۲) ابجد العلوم: ۸۱۰۔ (۳) الحطة فی ذکر صحاح الستة ۲۴۹۔

(۴) حوالہ سابق، ۲۵۴۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ۲/۳۔

(۶) تذکرۃ الحفاظ ۳/۲۸۸۔

(۷) طبقات الشافعیہ ۱/۲۳۲۔

(۸) حوالہ سابق، ۲/۳۱۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۶۔ امام بیہقی (متوفیٰ ۴۵۸ھ) شافعی ہیں اور ان کی شافعیت ان کی کتاب ہی سے ظاہر ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو سرگروہِ محدثین ہیں، بعد کے اہلِ علم جیسے حافظ ابن عبدالبر مالکی، صاحبِ شرح السنۃ امام بغوی شافعی، ابن عساکر شافعی، ابوبکر حازمی شافعی، شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی، حافظ عزالدین عبدالسلام شافعی، صاحبؒ "علوم الحدیث" ابن صلاح شافعی، امام ابوزکریا نووی شافعیؒ امام محب الدین طبری شافعی، حافظ زین الدین عراقی شافعی، ابن دقیق العید شافعی، زیلعی حنفی، حافظ قطلوبغا حنفی، حافظ ابن حجر شافعی اور دوسرے اہلِ علم کا ذکر کیا جائے تو یہ فہرست بہت طویل ہو جائے گی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے بھی تقلید میں غلو کو ناپسند کیا ہے، اور چونکہ ان کو اپنے عہد میں ایسے ہی غالی مقلدین سے سابقہ پیش آیا تھا، اس لئے ان کا یہ ردِ عمل فطری اور حق بجانب تھا، ورنہ اصحابِ علم وارباب نظر پر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ دونوں حضرات بھی دراصل حنبلی المسلک تھے، البتہ بعض مسائل میں اپنی خود رائے رکھتے تھے اور وہ اس مقام و مرتبہ کے عالم تھے کہ اس کا حق رکھتے تھے، خود نواب صدیق حسن خاں نے ابن تیمیہؒ کو "شیخ الحنابلہ" قرار دیا ہے (۱)

حقیقت یہ ہے کہ سوائے ابوداؤد ظاہری، علامہ ابن حزم اور علامہ شوکانیؒ کے شاید ہی کوئی قابلِ ذکر عالم مل پائے جس نے تقلید کا راستہ اختیار نہ کیا ہو۔

اگر یہ بات عرض کی جائے کہ خود شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

(۱) الجنۃ لاہل السنۃ ۳۸۔

بھی مقلد ہی تھے اور مسلکِ حنبلی کے پیرو تھے تو شاید غیر مقلد بھائیوں کو ناگواری ہوگی، لیکن کیا کیا جائے کہ حقیقت یہی ہے، خود شیخ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ونحن ایضاً فی الفروع	نیز ہم فروعی مسائل میں امام احمد
علیٰ مذهب الامام احمد	ابن حنبلؒ کے مذہب کے پابند ہیں
ابن حنبل ولا ننكر علیٰ	اور ہم ان لوگوں پر جو صرف ائمۂ
من قلد الائمة الاربعة	اربعہ کی تقلید کرتے ہیں اوروں
دون غیرهم لعدم	کی نہیں کرتے کوئی انکار نہیں کرتے
ضبط مذاهب الغیر	اس لئے کہ یہ دوسرے مذاہب
كالرافضة والزیدیه	منضبط نہیں ہیں جیسا کہ رافضیوں
والامامیة ونحوهم	زیدیہ اور امامیہ وغیرھم کے
لانقرهم علیٰ شیئ من	مذاہب، ہم ان کو ان مذاہبِ
مذاهبهم الفاسدة بل	فاسدہ کی کسی چیز پر برقرار نہیں
نجبرهم علیٰ تقلید	رہنے دیں گے بلکہ ہم ان کو مجبور
الائمة الاربعة ولا	کریں گے کہ وہ حضراتِ ائمہ اربعہ
نستحق مرتبة الاجتهاد	میں سے کسی ایک کی تقلید کریں،
ولا احد منا یدعیه	ہم مرتبۂ اجتہاد کے مستحق نہیں ہیں
الا ان فی بعض المسائل	اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا
اذا صح لنا نص جلی	مدعی ہے مگر یہ کہ بعض مسائل میں
من كتاب او سنة	جب ہمارے سامنے کتاب و
غیر منسوخ ولا مخصص	سنت کی کوئی واضح نص آجائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولا معارض باقوی منه	جو منسوخ اور مخصوص نہ ہو اور اس
وقبل به احد الائمة	کا اس سے قوی تر نص سے معارضہ
الاربعة اخذنا به و	بھی نہ ہو اور حضرات ائمہ اربعہ
ترکنا المذهب الخ۔	میں سے کسی نے قبول بھی کیا ہو تو
(۱)	ہم اس کو لیتے ہیں اور اپنے مذہب
	کو ترک کرتے ہیں۔

⁂

ظاہر ہے محدثین، فقہاء، مجددین امت، اہلِ علم اور اہلِ دل کا تقلید پر قناعت کرنا بجائے خود تقلید کے ثبوت کے لئے کافی وشافی ہے اور اگر تقلید کو شرک سمجھا جائے جیسا کہ غیر مقلد حضرات کہتے ہیں تو یہ تمام سلفِ صالحین نعوذ باللہ مشرکین کی فہرست میں داخل ہو جائیں گے۔

ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کیوں؟

اَب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تقلید کو ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تک کیوں محدود کر دیا گیا اور دوسرے ائمہ و فقہاء کی تقلید کی کیوں اجازت نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ تقلید کا ائمہ اربعہ میں منحصر ہو جانا یہ خود منجانب اللہ ہے، کیونکہ دوسرے فقہاء و مجتہدین کی فقہ آج مرتب اور مکمل صورت میں ہمارے سامنے موجود نہیں ہے، کسی کی رائے سو مسئلہ

(۱) شیخ احمد ابن حجر: الشیخ محمد بن عبد الوهاب عقیدته السلفیة ودعوته الاصلاحیة وثناء العلماء علیه ص۵۶۔

میں منقول ہے، کسی کی پچاس میں، کسی کی اس سے کم میں اور کسی کی اس سے زیادہ میں، ظاہر ہے کہ ایسے فقہاء کی تقلید زندگی کے تمام مسائل میں مفید اور کافی نہیں ہو سکتی، ائمہ اربعہ کی فقہ مرتب اور محفوظ شکل میں ہم تک پہونچی ہے اور ان مکاتبِ فقہ کے علماء کی مسلسل کوششوں نے ان فقہی مذاہب کو ایک مکمل اور مرتب قانونِ زندگی کی صورت دیدی ہے، اس لئے اَب ان کی تقلید کے سوا چارہ نہیں، شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ جو ہندوستان کے تمام مکاتبِ فکر کے درمیان ایک متفق علیہ شخصیت ہیں اور خود غیر مقلد حضرات ان کو اپنی جماعت کا ایک اہم ستون شمار کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

منها ان هذه المذاهب	ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ
الاربعة المدونة المحررة	مذاہبِ اربعہ جو لکھی ہوئی مدون
قد اجتمعت الامة او	صورت میں موجود ہیں، پوری امت
من یعتد منها علیٰ جواز	یا کم از کم امت کے قابلِ لحاظ
تقلیدها الیٰ یومنا هذا	طبقہ نے آج تک ان کی تقلید
وفی ذٰلك من المصالح	جائز ہونے پر اتفاق کیا ہے، ان
مالا یخفی سیما فی هٰذه	میں جو مصلحتیں ہیں بالخصوص موجودہ
الایام التی قصرت فیها	حالات میں جب کہ ہمتیں کوتاہ
الهمم جدا واشربت	ہیں، ہوئی پرستی کا دور ہے،
النفوس الهویٰ واعجب کل	اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں
ذی رأی برأیه۔ (۱)	ہے۔ وہ مخفی نہیں۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ (مترجم) ۱/۲۷۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صدیوں سے اس پر امت کے "سوادِ اعظم" کا عمل ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ سوادِ اعظم کی اتباع کرنی چاہیے "اتبعوا السواد الاعظم"(۱)

پہلے زمانہ میں صرف شیعہ ہی تھے جو ائمہ اربعہ کی تقلید پر معترض تھے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

قال الرافضی ذهب الجميع منهم الى القول بالقياس والاخذ بالرأى فادخلوا فى دين الله تعالى ماليس منه وحرفوا احكام الشريعة واتخذوا مذاهب اربعة لم تكن فى زمن النبىؐ ولا زمن الصحابة واعملوا اقاويل الصحابة مع انهم نصوا على ترك القياس وقالوا اول من قاس ابليس"۔ (۲)

رافضی کہتے ہیں کہ تمام مقلدین قیاس کے قائل ہیں اور رائے کو لیتے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں وہ کچھ داخل کر دیا جو دین میں نہیں، انہوں نے شریعت کے احکام بدل ڈالے اور چار مذاہب بنا لئے، جو آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہیں تھے، حضرات صحابہؓ کرام کے اقوال ان مقلدین نے ترک کر دیئے حالانکہ حضراتِ صحابہؓ نے ترکِ قیاس کی تصریح کی ہے اور یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا تھا وہ ابلیس تھا۔

پھر حافظ ابن تیمیہؒ نے ان سوالات اور ائمہ اربعہ کی تقلید کے سلسلہ میں شیعوں کے بعض اور اعتراضات کا مفصل اور تشفی بخش جواب

(۱) ابن ماجہ: ۳۶۷/۲، مع تحقیق: د، مصطفیٰ اعظمی۔

(۲) منہاج السنۃ ۸۹/۲، ط: بولاق۔

دیا ہے، یہ وہی اعتراضات ہیں جو آج کل غیر مقلد حضرات اٹھاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب نے کتاب و سنت کے مختلف پہلوؤں کو نیز صحابہ کے مشہور و مستند فتاویٰ کو بڑی خوبصورتی سے اپنے اندر سمو لیا ہے، دوسرے فقہاء کی آراء محفوظ و مستند طریقہ سے کم پہنچ پائی ہیں، وہ مرتب و مدون صورت میں موجود نہیں ہیں۔ جن دیگر فقہاء کی آراء کتابوں میں ملتی ہیں وہ زندگی کے تمام مسائل کا احاطہ نہیں کرتیں، کسی کی رائے پچاس مسائل میں منقول ہے، کسی کی سو دو سو مسائل میں، ظاہر ہے کہ ایسا نا تمام اور تشنہ کام مجموعۂ قانون عام آدمی کی زندگی کے مسائل کا حل نہیں ہو سکتا۔

ائمہ اربعہ کو ایسے لائق رفقاء اور محنتی تلامذہ ملے کہ انہوں نے ان کی تمام آراء کو ایک قانونی ترتیب کے ساتھ جمع اور مدون کر دیا، جن مسائل میں ان کی ایک سے زیادہ رائے منقول تھی، ان میں تطبیق یا دلائل و براہین کی بناء پر ایک رائے کو ترجیح دی، ان مجتہدین کے قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور قیاس پر مبنی دلائل کی تحقیق و توضیح عمل میں آئی اور ان ائمہ متبوعین کے مقرر کئے ہوئے منہاج استدلال اور فقہی اصول و قواعد کو بنیاد بنا کر ہر عہد میں پیدا ہونے والے نئے مسائلِ احکام کا حل پیش کیا گیا اور یہ سب اس فقہ کا حصّہ بنتا گیا، اس طرح ان مکاتب فقہ نے ایک مرتب اور مربوط نیز زندگی کے تمام مسائل کو جامع اور محیط مجموعہ ہائے قوانین کو وجود بخشا جو قرآن و حدیث، صحابہ کے آثار اور دین کے اصول و قواعد کا عطر اور نچوڑ ہیں اور پورے استناد کے ساتھ ہم تک پہونچے ہیں، فطری بات ہے کہ تقلیدِ شخصی انہیں فقہاء

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی ممکن ہے، اس لئے تقلیدِ شخصی کا ائمہ اربعہ میں منحصر اور محدود ہونا اور عام مسلمانوں میں اس کا مقبول ہونا اللہ ہی کی طرف سے ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے بخاری و مسلم یا صحاحِ ستہ کے مجموعہ ہائے حدیث کی مقبولیت اور اس پر عوام و خواص کا اعتبار و اعتماد، حالانکہ حدیث کے کتنے ہی مجموعے مرتب ہوئے کہ آج ان کے نام محض تاریخ کے صفحات میں ہیں اور انسانی نگاہیں ان کی دید سے بھی محروم ہیں۔

فقہی کتابوں کا استہزاء

ادھر ایک نیا فتنہ شروع ہوا ہے، فقہی کتابوں پر تمسخر آمیز تبصروں کا، ان کتابوں سے ایسے مسائل تلاش کر کر کے نکالے جاتے ہیں جو سیاق و سباق سے کاٹ دیئے جانے کی وجہ سے بادی النظر میں فحش اور ناقابلِ بیان معلوم ہوتے ہیں اور ان کو جمع کر کے عام مسلمانوں کو یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مقلدین کی فقہ میں اور خاص کر احناف کی فقہ میں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کو مولانا محمد یوسف جے پوری نے "حقیقۃ الفقہ" لکھ کر شروع کیا، دروغ گوئی اور علمی خیانت بھی اگر کوئی ایسی بات ہوتی جس پر انعام دیا جائے تو شاید مولانا جے پوری سے بڑھ کر انعام کا کوئی مستحق نہیں ہوتا، یہ کتاب دھوکہ دہی اور اچھائی میں سے برائی اور صاف ستھری جگہ سے گندگی تلاش کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اب ادھر سنا ہے کہ ہدایہ اور عالمگیری پر بھی اس قسم کی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

یہ بجائے خود ایک گمراہی ہے! ـــــــ فقہ کا موضوع ا[illegible]

زندگی کے مسائل کا حل ہے، انسان اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی، انسانی سماج میں اچھے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں اور برے بھی، فقیہ کا کام ہے کہ وہ ہر طرح کے مسائل کو حل کرے، اس لئے فقہ کی کوئی بھی کتاب ہو، خواہ فقہِ حنفی کی یا کسی اور فقہ کی یا خود غیر مقلدین کی، اس میں بعض ایسے مسائل کا آنا ناگزیر ہے کہ عام حالات میں ان کا تذکرہ فحش محسوس ہوگا، یہ ان کتابوں کا نقص نہیں بلکہ کمال ہے کہ وہ ہر طرح کے امکانی واقعات و حالات کا احاطہ کرتی ہیں، حضرت سلمان فارسیؓ پر ایک یہودی نے طنز کیا کہ تمہارے پیغمبر تو پیشاب پائخانہ کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، حضرت سلمان فارسیؓ اس طنز پر نہ لجائے نہ شرمائے، بلکہ فرمایا: بے شک ہمارے نبیؐ نے ہمیں ہدایت دی۔

کتبِ فقہیہ پر جو اعتراض غیر مقلد حضرات کرتے ہیں وہ دراصل اسی نوعیت کا ہے ـــــــ ان اہلِ علم ہی کی کتب کو یکجا کی جائے جن سے غیر مقلد حضرات ہم آہنگی رکھتے ہیں، جیسے ابن حزم، ابن قیم اور شوکانی وغیرہ، ایسے بیسیوں مسائل مل جائیں گے، مرد و عورت کے صنفی تعلقات پر جس تفصیل سے ابن قیم نے روشنی ڈالی ہے، بہت کم کتابوں میں ایسی تفصیل مل پائے گی۔ ادھر بعض علماءِ احناف نے بھی غیر مقلد مصنفین نواب صدیق حسن خاں اور مولانا وحید الزماں حیدرآبادی وغیرہ کی کتابوں سے اسی طرح کی فقہی جزئیات کو جمع کیا ہے جو بظاہر ان مسائل سے بھی زیادہ فحش ہیں جو ہمارے غیر مقلد بھائیوں نے فقہ و فتاویٰ کی بعض کتابوں سے نقل کئے ہیں ـــــــ لیکن راقم الحروف اس طرح کے عمل کو بہرحال ناپسند کرتا ہے، خواہ یہ عمل کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بھی فریق کی طرف سے بھی ہو، کیوں کہ اس طرح کا عمل سادہ ذہن لوگوں کو خود اسلام سے برگشتہ کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر خود قرآنِ مجید کی ان آیات کو جمع کیا جائے جن میں مرد و عورت کے صنفی تعلقات کا ذکر ہے، یا ان احادیث کو یکجا کر دیا جائے جن میں غسل کے وجوب، جماع کی کیفیت یا اس طرح کے مسائل ہیں تو ان پر بھی قریب قریب وہی اعتراض ہو سکتا ہے جو ہدایہ عالمگیری کی عبارت پر ہے، اور ایسی مثالوں کا جمع کرنا بھی چنداں دشوار نہیں لیکن یہ محض ایک بدخدمتی ہوگی اور اگر ان سب کو ارون شورے جیسے معاند اسلام کے پاس بھیجدیا جائے تو عام لوگوں کے سامنے اسلام کی غلط تصویر پیش کرنے کے لئے یہی ایک طاقتور ہتھیار بن جائے گا، اس لئے اس طرح کے مسائل کا ذکر کرنا اپنے ظرف کی گندگی کا مظاہرہ تو ہو سکتا ہے، اسلام کی خدمت نہیں ہو سکتی۔

بر سبیل تذکرہ نقل کرتا ہوں کہ شہر حیدرآباد کی ایک مسجد میں عرصہ سے خطبۂ جمعہ سے پہلے کچھ دین کی باتیں کہنے کا راقم الحروف کا معمول ہے، جس میں مختلف مکتبۂ فکر کے لوگ آتے ہیں اور نماز کے بعد کچھ دیر سوال و جواب کی مجلس بھی ہوتی ہے، ایک جمعہ کو ایک غیر مقلد بھائی آئے اور بر سر مجلس ہی بڑے فاتحانہ انداز میں دریافت کرنے لگے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی "بہشتی زیور" کیسی کتاب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ پوری کتاب تو پڑھنے کا موقع نہیں ملا لیکن جہاں کہیں میں نے دیکھا ہے مضامین نافع بھی ہیں اور مستند بھی اور جو کچھ نہیں دیکھا ہے اس کے مستند و معتبر ہونے کے لئے مصنف کا نام کافی ہے!

تمسخر آمیز انداز میں کہنے لگے کہ آپ کے تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ اگر کوئی پائخانہ چاٹ جائے تو جگہ پاک ہو جائے گی؟ میں نے عرض کیا شاید آپ نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ آپ ہی اس کے مخاطب ہیں، خدارا ایسا نہ کیجئے گا، اس کا مقصد یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ انگلیوں میں پائخانہ بھی لگا لیتے ہیں اور بے شعوری کی وجہ سے انگلیاں بھی چوستے رہتے ہیں، اگر کسی بچہ کی انگلی میں پائخانہ لگ جائے پھر وہ اسے منھ میں ڈال لے، بعد میں آپ کے کپڑے یا ہاتھ کو پکڑ لے تو اب کپڑے یا ہاتھ کا دھونا ضروری ہوگا بے چارے خفیف ہوئے، پھر میں نے ان سے معذرت کی کہ دل آزاری خدانخواستہ مقصود نہیں، مقصود صرف آپ کو یہ بتانا ہے کہ کسی بات کو صحیح محل اور صحیح موقعہ پر رکھ کر معنی متعین کرنا چاہئے اگر بے موقع اور بے محل اللہ اور اس کے رسولؐ کا کلام رکھ دیا جائے تو اس سے بھی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اور بہت سے بد دین اور ملحد لوگ ایسا کرتے بھی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام ابوحنیفہؒ

محدثین اور سلف صالحین کی نظر میں

حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایمان ثریا پر پہنچ جائے جب بھی فرزندانِ فارس میں سے کچھ لوگ اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لوکان الایمان عند الثریا لناولہ رجال من فارس (۱)

حافظ جلال الدین سیوطی اور حافظ ابن حجر مکی نے اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ کو قرار دیا ہے (۲) ائمہ متبوعین اور صحاحِ ستہ کے مؤلفین میں امام ابوحنیفہ ہی ہیں جن کو تابعین میں ہونے کا شرف حاصل ہے جن کے لئے حضورؐ نے مژدۂ مسرت سنایا ہے نیز آنحضورؐ نے ان لوگوں کو بحیثیتِ مجموعی بہتر قرار دیا جو آپؐ کی صدی یعنی پہلی صدی میں پیدا ہوئے ہوں اور ان فقہاء و محدثین میں امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں جو اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔

○ امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے بڑے فقیہ بھی تھے اور بلند پایہ محدث بھی۔ سننِ ابوداؤد کے مرتب امام ابوداؤد سجستانی نے اپنے ایک قول میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی شانِ امامت کا

(۱) بخاری ۲/۲۷، کتاب التفسیر باب قولہ "وآخرین منہم لما یلحقوا بہم"۔

(۲) دیکھئے: تبییض الصحیفہ ۳۲۔ الخیرات الحسان ۴۴۔

اس طرح اعتراف کیا ہے، فرماتے ہیں:

رحم اللہ اباحنیفۃ کان اماماً (۱) — اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے وہ واقعی امام تھے۔

○ وکیع بڑے بلند پایہ محدث ہیں، یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے۔ ان کو امام ابوحنیفہؒ کی تمام روایتیں ازبر تھیں اور انہوں نے بکثرت امام عالی مقام سے حدیثیں سن رکھی تھیں۔ کان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃ حدیثاً کثیراً (۲)

○ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ھشیم، وکیع، ابن جراح، عباد ابن عوام اور جعفر ابن عون جیسے اساطینِ محدثین نے آپؒ سے علمِ حدیث میں کسبِ فیض کیا ہے۔ (۳)

○ سرخیل محدثین امام مالک کا حال یہ تھا کہ جب آپ کی مجلس درس میں امام ابوحنیفہؒ رونق افروز ہوئے تو ان کو اونچے مقام پر بٹھایا۔ حالانکہ بڑے بڑے محدثین و فقہاء اس درس گاہ کے طلبہ ہوتے تھے اور امام مالکؒ کے وقار و تمکنت سے نظر برابر کرنے کی ہمت نہ پاتے تھے، پھر امام صاحب کے رخصت ہونے کے بعد آپؒ کی ذہانت و ذکاوت اور قوتِ استدلال کی بابت امام مالکؒ نے فرمایا: یہ ابوحنیفہ نعمان ہیں اگر وہ اس ستون کے بارے میں کہہ دیں کہ یہ سونے کا ہے تو واقعی یہ سونے کا نکلے، پھر سفیان ثوری آئے تو ان کو امام ابوحنیفہؒ کے مقابلہ کسی قدر نیچے

(۱) عقود الجواہر المنیفہ ۱/۱۲۔

(۲) عقود الجواہر المنیفۃ ۱/۱۱۔

(۳) حوالۂ سابق ۱/۱۲۔

بٹھایا اور جب واپس ہوئے تو ان کے تفقہ اور زہد کا ذکر فرمایا (۱)

○ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کی عیال ہیں! یہ بھی فرماتے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہو اور یہ بھی کہ جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابیں نہیں دیکھیں وہ علم میں تجر اور تفقہ حاصل نہیں کرسکتا (۲) اور ظاہر ہے کہ فقیہ کے لئے محدث ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ حدیث ہی شریعتِ اسلامی کا سب سے بڑا ماخذ ہے اور حدیث پر گہری نگاہ کے بغیر نہ احکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے بغیر کوئی شخص فقیہ کہلاسکتا ہے۔

○ امام احمدؒ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ اصحابِ ورع اور اصحابِ زہد میں سے ہیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے میں ان کا جو مقام ہے اس میں کوئی ان کا ہمسر نہیں انہ من اھل الورع والزھد و ایثار الاٰخرۃ بمحل لا یدرکہ احد (۳)

○ امام عبداللہ ابن مبارکؒ امام ابوحنیفہؒ کے خاص مداحوں میں تھے فرمایا کرتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری مدد نہ کی ہوتی یعنی ان سے استفادہ کا موقع میسر نہ آیا ہوتا تو میں ایک عام آدمی کی طرح ہوتا (۴) کبھی کہتے اگر اللہ نے مجھے ان دونوں سے نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا (۵)

---

(۱) الخیرات الحسان : ۴۴۔

(۲) حوالۂ سابق۔

(۳) الخیرات الحسان : ۴۶۔

(۴) تبییض الصحیفۃ / ۱۰۳۔

(۵) مناقب الامام ابوحنیفہ للذہبی / ۱۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

○ مکی ابن ابراہیم امام بخاری کے ان اساتذہ میں ہیں جن سے بخاری کی اکثر ثلاثی روایات منقول ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہیں، کان ابوحنیفۃ اعلم اھل زمانہ (۱)

○ شعبہ بن حجاج جن کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا تھا، امام ابوحنیفہؒ کو خط لکھا کرتے تھے کہ وہ حدیثیں بیان کریں نیز امام ابوحنیفہؒ کی شان میں اشعار پڑھا کرتے تھے (۲) انہیں کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بہت اعلیٰ فہم کے مالک اور قوی الحفظ شخص ہیں، اسی لئے شعبہ کا معمول تھا کہ آپ کے لئے کثرت سے دعاء رحمت فرماتے (۳)

○ مشہور محدث اور فقیہ سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے معترف تھے ایک صاحب امام ابوحنیفہ کے پاس سے سفیان کے پاس آئے تو سفیان نے کہا کہ تم ایک ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے ارض کا سب سے بڑا فقیہ ہے، لقد جئت من افقہ اھل الارض، ایک بار امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری کا ایک ساتھ سفر ہوا تو سفیان ازراہِ احترام ان کے پیچھے چلتے اور کوئی سوال کرتا تو جواب دینے سے گریز کرتے یہاں تک کہ امام صاحب جواب عنایت فرماتے (۴)، اسی لئے امام ابویوسفؒ فرمایا کرتے کہ سفیان مجھ سے زیادہ امام ابوحنیفہؒ کی متابعت کرتے تھے (۵)

○ سفیان ابن عیینہ بھی امام ابوحنیفہؒ کی مروت اور اہتمامِ نماز کے بڑے

---

(۱) الخیرات الحسان : ۴۷۔

(۲) الانتقار : ۱۲۶۔

(۳) الخیرات الحسان : ۴۸۔

(۴) الخیرات الحسان : ۴۵۔ (۵) الانتقار : ۱۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

معترف تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے سب سے پہلے انہوں نے ہی کوفہ میں طلبِ حدیث کیلئے بٹھایا، اوّل مَن اقعد نی للحدیث ابوحنیفة (۱) یہ بھی کہتے کہ میری ان آنکھوں نے امام ابوحنیفہ کی نظیر نہیں دیکھی، ماتعلت عینی مثل ابی حنیفة (۲) اور یہ بھی کہ "عالم" حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے عہد میں عبداللہ ابن عباسؓ، شعبیؒ کے عہد میں شعبیؒ امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں۔ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے عہد میں سفیان ثوریؒ تھے (۳)۔

○ یحیٰ ابن معین جیسے بلند پایہ محدث اور ناقد چار ہی شخص کے تفقہ کے قائل تھے اور ان میں بھی سرِفہرست امام ابوحنیفہؒ کا نام رکھتے تھے، پھر سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور اوزاعیؒ کے نام لیتے، یہ بھی فرماتے کہ قرارت میں حمزہ اور فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کا جواب نہیں، الفقه فقه ابی حنیفة (۴) یحیٰ ابن معین سے دریافت کیا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ابویوسفؒ میں کون آپ کو زیادہ محبوب ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ جن سے بہت سے صالح لوگوں نے روایت کیا ہے، امام شافعی کی حدیث میں پسند نہیں کرتا،[ع۵] اور امام ابویوسف گو سچے اور معتبر راوی ہیں، لیکن ان کی حدیث کافی نہیں (۵)

(۱) الانتقاء: ۱۲۸-۳۰۔

(۲) مناقب الامام ابوحنیفة للذہبی: ۲۷۔

(۳) حوالہ سابق: ۱۹۔

(۴) الخیرات الحسان: ۴۸۔

(۵) عقود الجواہر المنیفہ ۱/۱۲۔

ع۵ ویسے یحیٰ بن معین کی یہ بات اہلِ علم وتحقیق کے نزدیک مقبول نہیں، کیوں کہ امام شافعیؒ نہایت جلیل القدر محدث، فقیہ، مفسر اور زبان وادب شناس تھے۔

○ امام ابوبکر اعمش فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کے علم میں برکت عطاء فرمائی گئی ہے، جب کوئی اہم مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے: یہ اور اس طرح کے مسائل کا بہتر جواب امام ابوحنیفہ ہی دے سکتے ہیں، جب حج کا ارادہ ہوا تو باضابطہ علی ابن مسہر کو امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کے لئے مسائلِ حج تحریر فرمادیں (۱)

○ یحیٰ ابن سعید القطان جیسے محدث اور فن رجال کے بلند پایہ ناقد فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے امام ابوحنیفہ سے بہتر کسی کی رائے نہیں دیکھی، چنانچہ وہ امام ابوحنیفہؒ ہی کے قول پر فتاویٰ دیا کرتے تھے (۲)

○ امام وکیع سے منقول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نہایت امانت دار تھے، ان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت اور کبریائی سمائی ہوئی تھی اور وہ ہر چیز پر اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دیتے تھے، اگر ان پر تلوار بھی رکھ دی جاتی جب بھی وہ اسے برداشت کرتے، وہ واقعی ابرار میں سے تھے (۳) وکیع امام ابوحنیفہؒ کے تقویٰ اور للّٰہیت ہی کے معترف نہیں تھے بلکہ علم و اجتہاد میں بھی آپ کے قدر شناس تھے اور آپ ہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے چنانچہ یحیٰ ابن معین کا بیان ہے، وکان یفتی برأی ابی حنیفة (۴)

○ حماد ابن زید جیسے محدث کے بارے میں سلیمان بن حرب نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت ساری حدیثیں روایت کی ہیں روی حماد بن زید عن ابی حنیفة احادیث کثیرة (۵)

(۱) الانتقاء: ۱۲۶۔ الخیرات الحسان: ۴۸۔

(۲) الخیرات الحسان: ۴۷۔

(۳) تبییض الصحیفة: ۱۰۹۔ (۴) الانتقاء: ۱۲۶۔

(۵) الانتقاء: ۱۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

○ سعید بن ابی اردیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ عراق کے سب سے بڑے عالم ہیں (۱)

○ خلف ابن ایوب جن کا شمار بڑے محدثین میں ہے، کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے علم حضورؐ تک پہنچا، حضورؐ سے صحابہ تک، صحابہ سے تابعین تک اور تابعین سے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء تک (۲)

○ سرخیل محدثین معمرؒ سے منقول ہے کہ میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقہ پر گفتگو کر سکتا ہو، قیاس کی صلاحیت رکھتا ہو اور حدیث کی تشریح و توضیح کی صلاحیت کا حامل ہو (۳)

○ مسعر بن کدام بلند پایہ رواتِ حدیث میں ہیں، وہ فرماتے تھے کہ جس نے اپنے درمیان اور خدا کے درمیان امام ابو حنیفہؒ کو رکھا (یعنی امام ابو حنیفہؒ کی تشریح دین پر عمل کیا)، تو امید ہے کہ اس کے لئے خوف کی بات نہ ہوگی اور وہ اپنے ساتھ احتیاط کے معاملہ میں کوتاہی کرنے والا تصور نہ کیا جائے گا، یہ بھی کہتے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا نیز ابن مبارک ناقل ہیں کہ میں نے مسعر کو امام ابو حنیفہ کی مجلس میں دیکھا کہ آپ سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے (۴)

○ قاسم ابن معن کو لوگوں نے طعنہ دیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے مصاحبین میں سے ہونے کے باوجود امام ابو حنیفہؒ کی مجلسوں میں بیٹھتے ہو تو قاسم ابن معن نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کی مجلس سے بڑھ کر نافع کوئی مجلس

(۱) الانتقاء : ۱۳۰۔
(۲) تبییض الصحیفۃ : ۱۰۸۔
(۳) حوالہ سابق : ۱۱۰
(۴) الخیرات الحسان : ۴۷۔

نہیں جس میں لوگ بیٹھے ہوں (۱)

○ عبدالرزاق ابن ہمام جن کی مصنف حدیث کا وسیع ترین ذخیرہ ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر حلیم و بردبار نہیں دیکھا نیز اپنا تجربہ نقل کیا کہ ہم نے آپؒ کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف جو بات بھی منسوب کرتے ہوئے سنا مبنی برصواب پایا (۲)

○ ابن شبرمہ جن کا شمار معروف فقہاء میں ہے، فرمایا کرتے کہ عورتیں اس بات سے عاجز ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ جیسے شخص کو جنم دیں (۳)

○ قاضی شریکؒ نخعی بھی آپؒ کے بڑے معترف تھے (۴)

○ خارجہ بن مصعبؒ کہا کرتے تھے کہ فقہاء میں امام ابو حنیفہؒ کی مثال اس کھونٹے کی ہے جس پر چکی گردش کرتی ہے اور اس ماہر صراف کی سی ہے جو سونے کی پرکھ رکھتا ہے (۵)

○ یزید بن ہارونؒ جیسی محدث اور زاہد ہستی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر صاحبِ عقل، صاحبِ فضل اور صاحبِ ورع نہیں دیکھا مَارأیت احَداً اعقل ولا افضَل ولا اورَع مِن ابی حنیفۃ (۶)

○ فضیل بن عیاضؒ جن کا شمار زہادِ امت میں ہے، آپ کے اوصاف کو بڑی فراخ دلی سے بیان کرتے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آپ فقیہ تھے، اور تفقہ میں معروف، زہد و ورع میں مشہور، صاحبِ مروت اور ہر آنیوالے

(۱) الانتقاء : ۱۳۴۔
(۲) الانتقاء : ۱۳۵۔
(۳) الانتقاء : ۱۳۱۔
(۴) حوالہ سابق۔
(۵) الخیرات الحسان : ۴۹۔ (۶) تبییض الصحیفۃ : ۱۰۷۔

پر اپنے فضل کا دروازہ کھلا رکھنے، شب و روز علم کے حصول پر صابر، کم گو، حلال و حرام کے کسی بھی مسئلہ کا حق کے مطابق ہی جواب دیتے اور اربابِ حکومت سے دور دور ہی رہتے (١)

○ مشہور محدث زہیر ابن معاویہ آپ سے اس قدر متأثر تھے کہ برملا فرماتے تھے امام ابو حنیفہؒ کے درس میں ایک دن کی حاضری میرے پاس ایک مہینے کی حاضری سے زیادہ نفع بخش ہے۔ (٢)

○ عبداللہ ابن داؤد خریبی فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں پر اپنی نمازوں میں امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کرنا واجب ہے اور امام ابو حنیفہؒ کو حدیث و فقہ پر محافظت کا ذکر فرماتے (٣)

○ شداد ابن حکیم کہا کرتے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑا صاحبِ علم نہیں دیکھا۔ (٤)

○ حسن ابن سلیمان کا خیال تھا کہ حدیثِ نبویؐ "قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ علم ظاہر نہ ہو جائے" لا تکون الساعة حتی یظھر العلم" میں علم سے امام ابو حنیفہؒ کا علم اور تشریح حدیث مراد ہے (٥)

○ امام اوزاعی کہا کرتے تھے کہ مشکل مسائل پر سب سے زیادہ امام ابو حنیفہؒ آگاہ تھے (٦)

○ علی بن عاصم کہا کرتے تھے کہ اگر امام ابو حنیفہؒ کو روئے زمین پر

(١) الخیرات الحسان: ٣٧۔
(٢) الانتقاء: ١٢٤۔
(٣) تبییض الصحیفہ: ١٠٤۔
(٤) حوالہ سابق۔
(٥) تبییض الصحیفہ: ١٠٩۔
(٦) حوالہ سابق: ١١٢۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

رہنے والے آدھے لوگوں کی عقل سے تولا جائے تو امام ابو حنیفہؒ کی عقل بڑھ جائیگی (١)

○ امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والدین سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کرتا ہوں (٢)

○ حافظ محمد ابن میمون فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں آپ سے بڑا عالم، صاحبِ ورع، صاحبِ زہد صاحبِ معرفت اور فقیہ کوئی شخص نہیں تھا (٣)

○ مشہور محدث مسعر بن کدام کہتے تھے اللہ امام ابو حنیفہؒ پر رحم فرمائے وہ بڑے فقیہ اور صاحبِ علم تھے (٤)

○ ایوب سختیانی کو جب معلوم ہوا کہ امام ہمام حج میں تشریف لارہے ہیں تو حماد ابن زید کے ذریعہ آپ کو سلام بھیجنے کا شرف حاصل کیا (٥)

○ مشہور فقیہ اور محدث ابن جریج امام صاحب کی خشیت سے بڑے متأثر تھے، جب آپ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ آپؒ کے ساتھ بہت سارا علم جاتا رہا (٦)

○ عیسیٰ ابن یونس تنبیہ کرتے کہ امام ابو حنیفہؒ کی شان میں بدگوئی نہ کرو اور نہ بدگوئی کرنے والوں کی تصدیق کرو، خدا کی قسم! میں نے آپ سے بہتر آپ سے زیادہ محتاط، آپ سے بڑھ کر فقیہ کسی اور کو نہیں پایا (٧)

(١) تبییض الصحیفہ: ١١٣۔
(٢) الخیرات الحسان: ٣٨۔
(٣) حوالہ سابق: ٣٩۔
(٤) الانتقاء: ١٢٥۔
(٥) بحوالہ سابق۔
(٦) الانتقاء: ١٣٥۔
(٧) الانتقاء: ١٣٧۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

معروف محدث حماد بن سلمہ نے آپؒ کو سب سے بلند پایہ مفتی قرار دیا (۱)

○ محدث حسن ابن صالح کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ فہیم، صاحبِ علم اور عمیق علم کے حامل شخص تھے جب ان کے نزدیک حضورؐ کی کوئی حدیث درجۂ صحت کو پہنچ جاتی تو آپؒ کسی اور طرف رجوع نہیں کرتے (۲)

○ اسد ابن عمرو کا بیان ہے کہ رات کے وقت امام ابو حنیفہ کا گریہ و زاری ایسا ہوتا تھا کہ آپؒ کے پڑوسیوں کو بھی ترس آتا تھا (۳)

○ مشہور محدث بکیر ابن معروف کہا کرتے تھے کہ میں نے امتِ محمدیہ میں امام ابو حنیفہ سے بہتر طور طریق کا کوئی آدمی نہیں دیکھا ماراٴیت رجلاً احسن سیرۃ فی امۃِ محمّد من ابی حنیفۃ (۴)

○ حسن ابن عمارہ جو مشہور رواتِ حدیث میں ہیں، کے بارے میں امام عبداللہ ابن مبارک ناقل ہیں کہ میں نے دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں: بخدا! ہم نے فقہ میں آپ سے زیادہ بہتر کلام کرنے اور مختصر جواب دینے والا نہیں پایا، حقیقت یہ ہے کہ آپ فقہ پر کلام کرنے والوں کے سردار ہیں، آپکے زمانے میں کوئی آپ کا مقابل نہیں اور جو لوگ آپ کے منہ آتے ہیں وہ محض حسد کا شکار ہیں، وَمایتکلمون فیك الاّحسداً (۵)

○ فن اسماء الرجال کے امام حافظ ذہبی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں

(۱) تبییض الصحیفہ: ۱۱۲۔

(۲) الانتصار: ۱۲۸۔

(۳) الخیرات الحسان: ۵۳۔

(۴) حوالہ سابق: ۵۶۔

(۵) تبییض الصحیفہ: ۱۱۰۔

کیا ہے:-

ابو حنیفۃ الامام الاعظم فقیہ العراق وکان اماما ورعا، عالما عاملا متعبد اکبیر الشان (۱)	امام ابو حنیفہ امامِ اعظم اور عراق کے فقیہ ہیں، وہ امام زاہد و متورع، عالم باعمل، عبادت گذار اور بڑی شان کے حامل تھے۔

○ مشہور مورخ ابن خلکان اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے:

کان ابو حنیفۃ عالماً عاملاً زاھداً ورعاً تقیاً کثیر الخشوع دائم التضرع الی اللہ تعالیٰ۔ (۲)	امام ابو حنیفہ صاحبِ علم، باعمل، زاہد، متورع، صاحبِ تقویٰ بہت خشوع رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ سے بہت گریہ وزاری کرنے والے تھے۔

○ حافظ ابن کثیر ان الفاظ میں آپؒ کا ذکر گرامی کرتے ہیں:

الامام فقیہ العراق احد ائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام احد ارکان العلماء احد الائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاھب المتبوعۃ۔ (۳)	امام فقیہ عراق ہیں، ائمہ اسلام اور عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں، اساطین علماء میں سے ایک، ائمہ اربعہ (جن کے طریقِ فقہ کی پیروی کی جاتی ہے) میں سے ایک ہیں۔

آپؒ کے معاصرین تو آپؒ کی شخصیت کے بارے میں رطب اللسان ہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آپ کے بعد کے بعض مؤلفین کی طرف بعض

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۶۸۔

(۲) تبییض الصحیفہ: ۱۱۲۔

(۳) البدایۃ والنہایۃ: ۱۰ — ۱۰۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسی باتیں بھی منسوب ہیں جو آپ کی ذات والا صفات کو مجروح کرتی ہیں، لیکن یہ کچھ عجیب نہیں، تاریخ میں ہر ذہین اور اپنے عہد کی عبقری شخصیت ایسے عناد کا ہدف بنی ہے، حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے:

یستدل علی نباهة الرجل من الماضیین بتباین الناس فیه قالوا الاتری الی علی ابن ابی طالب انه تدھلك فیه فئتان محب مفرط ومبغض مفرط وھٰذہ صفة اهل النباهة ومن بلغ فی الدین والفضل الغایة۔ (۱)

گذرے ہوئے لوگوں میں سے کسی کی ذہانت اور عروج و مقام پر اس بات سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں کی رائے مختلف ہو، اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہی کے معمول کو دیکھو ان کی بابت دو گروہ ہلاک ہوئے، ایک وہ لوگ جنہوں نے محبت میں غلو سے کام لیا اور دوسرے وہ جنہوں نے بغض و کدورت میں افراط کا راستہ اختیار کیا یہی ان حضرات کی صفت ہے جو ذہین ہیں اور دین اور فضل کے اعتبار سے بلند مقام پر پہنچے ہوتے ہیں۔

حضرت الامام الہمام کے بارے میں بھی یہی صورتحال درپیش ہے۔ اگر بہ نظرِ تحقیق دیکھا جائے تو اس کے دو اسباب ہیں: حسد اور غلط فہمی ــــ حسد واقعی بڑی بلا ہے اور اچھے اچھوں اور بڑے بڑوں کو گرفتار کر لیتی ہے۔

فضل بن موسیٰ سے ان لوگوں کی بابت دریافت کیا گیا جو امام ابو حنیفہ کی مخالفت پر کمربستہ تھے، آپ نے فرمایا:

ان اباحنیفة جاءھم بما یعقلونه وبما لایعقلونه

امام ابو حنیفہ ان کے پاس ایسے علوم کے ساتھ آئے کہ کچھ یہ سمجھ پاتے تھے اور …

(۱) عقود الجواھر المنیفة: ۱/۱۵۔

من العلم ولم یترك لهم شیئاً فحسدوہ۔ (۱)

کچھ ان کے فہم نارسا سے ماوراء تھے اور ان کیلئے کچھ نہ چھوڑا اسلئے لوگوں کو آپ سے حسد ہوگیا۔

الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ اسی طرح کی بات یحییٰ ابن آدم سے بھی منقول ہے۔ (۲) ابن ابی داؤد فرمایا کرتے تھے:

الناس فی ابی حنیفة حاسد وجاهل واحسنهم عندی حال الجاهل (۳)

امام ابو حنیفہ کے بارے میں بعض لوگ حاسد ہیں اور بعض ناواقف اور میرے نزدیک ناواقف کا معاملہ بہتر ہے۔

حسن بن عمارہ نے خود امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ومایتکلمون فیك الاحسداً۔ (۴)

لوگ آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ محض حسد کا نتیجہ ہے۔

عیسیٰ ابن یونس کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کی مخالفت کرتا ہو تو اس کو سچا نہ جانو:

لاتصدقن احدا یسیٔ القول فیه فانی واللہ ما رأیت افضل منه ولا افقه منه۔ (۵)

امام ابو حنیفہ کے بارے میں کوئی بدگوئی کرے تو اس کو سچا نہ جانو، واللہ میں نے آپ سے افضل اور آپ سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔

(۱) الانتقاء: ۱۳۶۔
(۲) الخیرات الحسان: ۴۸۔
(۳) تبییض الصحیفة: ۱۰۸۔
(۴) حوالہ سابق: ۱۱۰۔
(۵) الخیرات الحسان: ۴۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابوسلیمان نے بہت درست کہا ہے کہ جو بے چارے عقلِ رسا سے محروم ہیں وہی امام ابوحنیفہؒ کے کلام سے بیزار ہیں:

كان ابوحنيفة عجبا	امام ابوحنیفہؒ ایک نادرۂ روزگار شخصیت
من العجب وانما يرغب	تھے اور ان کی بات سے وہی بے رغبتی
عن كلامه من لم يقو	اختیار کرتا ہے جو خود اس کے سمجھنے پر قادر
عليه. (۱)	نہ ہو۔

حد کے باب میں "نام" سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے، غور کرو کہ اس حد نے کسی کو چھوڑا ہے؟ کیا امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ اور کیا امام شافعیؒ و احمدؒ، اور کیا بخاریؒ و نسائیؒ اور ابن تیمیہؒ، اور پھر ان پر زبان کھولنے والے بھی کیسے کیسے اساطین اور اقلیمِ علم و فن کے سلاطین ہیں —— ؟

دوسرا سبب غلط فہمی و ناواقفیت ہے، ابن ابی داؤد کا اعتراف حقیقت گذر چکا ہے کہ امام صاحبؒ پر زبان کھولنے والے یا تو حاسدین ہیں یا جاہلین و ناواقف، اسد بن حکیم کا بیان ہے:

لا يقع فيه الاجاهل	امام ابوحنیفہؒ کی ناواقف یا بدعتی ہی
او مبتدع. (۲)	عیب جوئی کرسکتا ہے۔

غلط فہمی اور ناواقفیت اکثر اچھے اچھے لوگوں کے چشمۂ دل کو بھی مکدر کر دیتی ہے۔ اس لئے کہ انسان خواہ کتنا ہی بڑا صاحبِ علم کیوں نہ ہو وہ بہرحال عالم الغیب نہیں اور حقائق سے اس کا باخبر ہونا ضروری نہیں، خاص کر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ احترام و اعزاز کا مقام عطا فرماتا

---

(۱) الخیرات الحسان: ۳۹۔

(۲) حوالہ سابق۔

ہے، اس کے حاسدین کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے، مثلاً امام بخاریؒ اور علامہ ابن تیمیہ ہی کو دیکھا جائے کہ ان کے بارے میں کیا کچھ غلط فہمیاں نہیں پھیلائی گئیں، شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی مرحوم ماضی قریب کے مصلحین میں ہیں، ان کے بارے میں کتنا کچھ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ آج بھی برصغیر میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ان کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہیں حالاں کہ آج پریس اور ذرائع ابلاغ کی ترقی کا دور ہے اور کسی غلط فہمی کا ازالہ نسبتاً آسان ہے، امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ تو بہرحال ایسی سہولتوں اور آسانیوں سے خالی و عاری تھا، اس لئے اس دور میں غلط فہمیوں کا پھیلنا اور بروقت اس کا ازالہ نہ ہو پانا مستبعد نہیں۔

چنانچہ متعدد واقعات ہیں جن سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً فقیہ شام امام اوزاعی بھی ان لوگوں میں تھے جو امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، انہوں نے ابن مبارک سے پوچھا یہ کون بدعتی ہے جو کوفہ میں ظاہر ہوا ہے اور ابوحنیفہؒ کہلاتا ہے؟ عبداللہ ابن مبارکؒ نے فوری جواب دینے کے بجائے کچھ مشکل مسائل جو تحریری شکل میں تھے ان کے حوالے کئے، اس تحریر پر مؤلف کی حیثیت سے "نعمان بن ثابت" کا نام تھا، اوزاعی اس تحریر سے بہت متاثر ہوئے اور دریافت کیا یہ کون بزرگ ہیں؟ عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ عراق کے ایک شیخ ہیں جن سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ اوزاعی نے کہا یہ نہایت بلند پایہ شیخ ہیں، تم ان سے خوب استفادہ کرو، عبداللہ بن مبارک نے کہا یہ وہی امام ابوحنیفہؒ ہیں جن سے آپ نے منع فرمایا تھا۔ پھر جب ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں امام ابوحنیفہؒ و اوزاعی کی ملاقات ہوئی تو انہیں مسائل پر گفتگو ہوئی اور اس تحریر سے بھی زیادہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وضاحت وقوت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ نے ان مسائل کو بیان کیا تو امام اوزاعیؒ کی محبت اور بڑھ گئی اور عبداللہ ابن مبارکؒ سے صاحب سے امام اوزاعی نے فرمایا کہ مجھے اس شخص کے کثرتِ علم اور کمالِ عقل پر بہت رشک ہے اور میں اللہ سے مغفرت کا طلبگار ہوں، میں ان کے بارے میں کھلی غلط فہمی میں تھا، مجھے ان کے بارے میں جو بات پہنچی تھی، حقیقت اس کے بالکل ہی برخلاف ہے، فانه بخلاف مابلغنی عنه (۱)۔

سفیان ثوری کو بھی امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ابتداءً بڑی غلط فہمی تھی مگر جب باہمی ملاقات ہوئی اور تبادلہ خیال ہوا تو ساری غلط فہمی دور ہوگئی اور خود احساس ہوا کہ وہ آپ کے بارے میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھے (۲) پھر بعد میں ایسے معتقد ہوئے کہ جب امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ چلتے تو ازراہِ احترام خود پیچھے چلتے اور امام صاحب کو آگے رکھتے اور جب کوئی سوال کرتا تو امام صاحب کے سامنے جواب دینے سے گریز کرتے یہاں تک کہ سفیان ثوری کے بھائی عمر بن سعید کی وفات پر امام ہمام تعزیت کے لئے تشریف لے گئے، سفیان ثوری اپنی مجلس سے اٹھ گئے، کھڑے ہوکر معانقہ کیا، اپنی جگہ آپ کو بٹھایا اور خود سامنے مؤدبانہ بیٹھ گئے۔ سفیانِ ثوری کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کیلئے اس طرح آپ کا اٹھنا اور احترام سے پیش آنا خود مجھ کو اور آپکے دوسرے تلامذہ کو ناگوار گذرا ہے؟ سفیان ثوری نے فرمایا، اس میں ناگواری کی کیا بات ہے؟ یہ شخص علم میں بڑے مقام کا حامل ہے پھر اگر علم کی وجہ سے میں

(۱) الخیرات الحسان: ۴۹۔
(۲) المیزان الکبری۔

ان کا احترام نہ کرتا تو ان کی عمر کی رعایت سے کرتا، اگر عمر کی وجہ سے کھڑے ہوکر استقبال نہ کرتا تو ان کے تفقہ کا لحاظ کرتا، اگر تفقہ کا بھی لحاظ نہ کرتا تو ان کے زہد وتقویٰ کی وجہ سے ان کے لئے کھڑا ہوتا (۱)

امام محمد باقرؒ جو اہلِ بیت کے علوم کے امین تھے اور اپنے زمانے کے متفق علیہ بلند پایہ محدث اور فقیہ تھے ان کا ذہن بھی ابتداءً امام صاحب کے بارے میں صاف نہیں تھا لیکن جب آپسے ملاقات ہوئی تو حقیقتِ حال واضح ہوئی، آپ نے امام صاحب سے دریافت فرمایا کہ آپ حدیثِ رسولؐ پر قیاس ورائے کو ترجیح دیتے ہیں؟ آپنے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے؟ پھر پوچھا مرد کمزور ہے یا عورت؟ امام باقرؒ نے فرمایا عورت، امام صاحبؒ نے فرمایا: اگر میں قیاس پر عمل کرتا تو میں میراث میں عورت کا حصہ مرد سے زائد رکھتا، پھر امام صاحب نے پوچھا نماز زیادہ افضل عمل ہے یا روزہ؟ امام باقرؒ نے کہا، نماز، آپؒ نے کہا، اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورتوں کو حیض سے پاک ہونے کے بعد نماز کی قضاء کا حکم دیتا نہ کہ روزہ کی، لیکن چوں کہ آپکے نانا کا ارشاد موجود ہے اس لئے روزہ کی قضا واجب ہوگی، نماز کی قضاء نہیں ہوگی!

پھر امام صاحبؒ نے دریافت کیا کہ پیشاب زیادہ ناپاک ہے یا مادۂ منویہ؟ امام باقرؒ نے کہا، پیشاب۔ آپؒ نے فرمایا اگر میں قیاس پر عامل ہوتا تو پیشاب کی وجہ سے غسل واجب قرار دیتا لیکن آپکے نانا جانؐ کی حدیث کے سبب ہم پیشاب کی وجہ سے صرف وضو واجب قرار دیتے ہیں نہ کہ غسل، یہ سن کر امام باقرؒ اٹھے، آپؒ سے بغلگیر ہوئے، چہرہ کو بوسہ دیا اور بڑی تکریم کا معاملہ فرمایا (۲)

(۱) تبییض الصحیفہ: ۱۱۲۔ (۲) المناقب للموفق؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں، کیوں کہ ایک تو امویوں اور عباسیوں دونوں سے آپؒ کا اختلاف رہا، علویوں سے آپ کی قربت تھی، عراق جو بعض فرقِ باطلہ کا مرکز بن گیا تھا، ان سے آپ کا اختلاف تھا، شیعوں سے بھی آپ کا اختلاف رہا کیوں کہ آپ حضرات شیخینؓ کو اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق سب سے افضل مانتے تھے، کوفہ میں حضرت عثمانِ غنیؓ کا نام تک احترام کے ساتھ لینا ایک جرم سے کم نہیں تھا، آپ بانگِ دہل حضرت عثمانؓ کا ذکرِ خیر فرماتے، حضرت علیؓ کو بھی خلیفہ راشد اور برحق جانتے تھے، اس لئے خوارج اور ناصبیہ سے آپکا اختلاف تھا، عباسیوں کے دور میں معتزلہ نامی فرقہ کو سیاسی سطح پر بڑا غلبہ حاصل ہو گیا تھا، ایمان اور قرآن کے بارے میں معتزلہ کے تصورات کا آپ نے رد فرمایا، اہلِ باطل سے آپنے بڑے بڑے مناظرے فرمائے، اس لئے یہ سب آپکے مخالفین تھے، اور عجب نہیں کہ ان ہی حضرات نے آپؒ کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی ہوں اور عراق میں اہلِ سنت والجماعت کی بنیاد کو کمزور کرنے کی غرض سے آپکے خلاف بدگمانیوں کا ہالہ بنایا ہو، اسی لئے حافظ ابن حجر مکیؒ نقل کرتے ہیں:

قال الحافظ عبد العزیز ابن ابی داؤد من احب ابا حنیفۃ فھو سنی ومن ابغضہ فھو مبتدع وفی روایۃ بیننا وبین الناس ابو حنیفۃ فمن احبہ وتولاہ علمنا انہ من اھل السنۃ ومن ابغضہ علمنا انہ من اھل البدعۃ۔ (۱)

حافظ عبد العزیز بن ابی داؤد نے کہا جس نے امام ابو حنیفہ سے محبت کی وہ سنی ہے اور جس نے آپؒ سے بغض رکھا وہ بدعتی ہے اور انہیں سے منقول ہے: ہمارے اور لوگوں کے درمیان

وجہ امتیاز ابو حنیفہؒ ہیں، جس نے آپ سے محبت رکھی ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت میں سے ہے اور جس نے آپ سے بغض رکھا ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہلِ بدعت میں سے ہے۔

اور ابراہیم ابن معاویہ کا بیان ہے:

مِن تمام السنۃ حب ابی حَنیفۃ۔ (۲)

امام ابو حنیفہؒ سے محبت مکمل طور پر اہلِ سنت میں سے ہونے کی علامت ہے۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یا تو خدا ناترس حاسدین نے زبان کھول کر چاند پر تھوکنے کی کوشش کی ہے یا غلط فہمی کے باعث اس طرح کی بات کہی گئی ہے، اس لئے محقق علماء جیسے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امت کے ائمہ کبار کے بارے میں کوئی جرح مقبول نہیں، غور کرو کہ ابراہیم نخعی پر شعبی نے کلام کیا ہے، ربیع، ابوالزناد اور ابو بکر اعمش پر ابن شہاب زہری نے کلام کیا ہے، امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق پر اور ابن ابی ذئب نے خود امام مالکؒ پر جرح کی ہے، یحیٰ ابن معین کی امام شافعیؒ پر تنقید معلوم ہے، امام احمدؒ پر امام کرابیسی نے جرح کی ہے اور ان کو بہت سے اہلِ علم نے فقیہ ماننے ہی سے انکار کر دیا یہاں تک کہ حافظ ابن عبد البر نے "الانتقاء" میں بھی ائمہ ثلاثہ کے حالات نقل کئے ہیں اور امام احمدؒ کی رائے کو کوئی جگہ نہیں دی، ابن شہاب زہری حدیث کے مدونِ اول ہیں اور دوسری کتبِ حدیث ہی نہیں، خود صحیحین کی کتنی احادیث ہیں کہ زہری

(۱) الخیرات الحسان ۴۸۔

(۲) الخیرات الحسان: ۴۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہی پر ان کا انحصار ہے لیکن مصر کے معروف محدث اور فقیہ لیث ابن سعد نے ان پر بھی کلام کیا ہے (۱) امام بخاری کو امام ذہلی نے مجروح قرار دیا ہے اس لئے امام ابوحنیفہؒ اور اس شان کے جلیل القدر فقہاء و محدثین پر (جن کے بارے میں ان کے معاصرین کا اعتراف موجود ہو) بعد کے علماء کی تنقید کا کوئی اعتبار نہیں۔

اخیر میں دل چاہتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اس مختصر تذکرہ کو مشہور محدث ایوب سختیانی اور ایک شافعی عالم علامہ محمد بن یوسف دمشقی کے اقتباس پر ختم کروں، حماد ابن زید، ایوب سختیانی کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی نے امام ابوحنیفہؒ کی شان میں تنقیص کی تو انہوں نے فرمایا:

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ وقد رأینا مذاھب جماعۃ ممن تکلم فی ابی حنیفۃ قد ذھبت واضمحلت ومذھب ابی حنیفۃ باق الی یوم القیٰمۃ وکلما قدم ازداد نوراً وبرکۃً والناس الاٰن مطبقون علیٰ ان اصحاب السنۃ والجماعۃ ھم اھل المذاھب الاربعۃ مثل ابی حنیفۃ ومالک

لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے ہی رہیں گے، امام ابوحنیفہؒ پر کلام کرنیوالے لوگوں کے مذاہب کے بارے میں ہم نے دیکھا کہ وہ ختم ہو گئے یا کمزور ہو گئے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب قیامت تک کے لئے باقی ہے اور آئے دن اس کا نور اور اس کی برکت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے آج تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مقلدین ہی اہلسنت والجماعت

(۱) دیکھئے: اعلام الموقعین ۲-۷۳ -۷۲۔

والشافعی واحمد وکل من تکلم فی مذھب ابی حنیفۃ درس مذھبہ حتی لایعرف ومذھب ابی حنیفۃ باق ملیٔ الأرض شرقھا وغربھا واکثر الناس علیہ۔ (۱)

ہیں، جن لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر کلام کیا، ان کا مذہب ایسا مٹ گیا کہ اب اس کا پتہ بھی نہیں چلتا اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب پورے روئے ارض پر مشرق و مغرب میں باقی ہے اور اکثر لوگ اسی پر عمل پیرا ہیں۔

اور علامہ دمشقی رقمطراز ہیں:

وقد جھد کثیر منھم علیٰ ان یحطون مرتبۃ الامام ابی حنیفۃ ویصرف قلوب اھل العصر من محبتہ فما قدر علیٰ ذٰلک ولانفذ علامہ فیہ حتی قال بعضھم فعلمنا انہ امر سماوی لاحیلۃ لاحد فیہ ومن یرفعہ اللہ تعالیٰ لایقدر الخلق علیٰ خفضہ۔ (۲)

بہت سے لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے مقام کو گرانا اور اہل زمانہ کے قلوب کو آپ کی محبت سے پھیرنا چاہا مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے، اور ان کی بات بے اثر ہی رہی، یہاں تک کہ بعض حضرات نے کہا کہ ہمیں اس سے اندازہ ہو گیا کہ یہ آسمانی فیصلہ ہے، کسی کو اس کی طاقت نہیں، سچ ہے کہ اللہ جسے بلند کرے اسے کوئی پست نہیں کر سکتا۔

اکابر محدثین اور علماء رجال و ناقدین کی حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں جو توصیف اور توثیق اوپر مذکور ہوئی ہے، جس میں بعض اقوال ازراہ

(۱) عقود الجواہر المنیفہ ۱/۱۵۔

(۲) عقود الجمان ۲۷۱-۲۷۲۔ ط دیوبند۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اختصار درج نہیں کیے گئے ہیں، ان کے بعد ان چند تنقیدات پر گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو محض غلط فہمی اور حسد پر مبنی ہیں اور حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی جیسے لوگ خود ہی اس کی تردید کر چکے ہیں۔ پس اس بات کو یاد رکھنا چاہیے جو اوپر بعض سلفِ صالحین کے حوالہ سے گذر چکی ہے کہ امام ابو حنیفہ سے محبت اہلِ سنت والجماعت میں سے ہونے کی علامت ہے اور آپؒ سے بغض اہلِ بدعت میں سے ہونے کی۔

نماز میں ہاتھ کہاں باندھا جائے؟

نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھا جائے یا نہیں اور باندھا جائے تو کہاں ——— ؟ اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ کھلا رکھا جائے گا جس کو ارسال کہتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا بہتر ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سینہ پر ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے، امام احمدؒ کے نزدیک دونوں ہی باتوں کی گنجائش ہے اور دونوں برابر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اتنا تو احادیث سے ثابت ہے کہ معمولِ مبارک ہاتھ کے باندھنے کا تھا لیکن ہاتھ کہاں باندھتے تھے، سینہ پر، سینہ سے نیچے، ناف کے اوپر، ناف کے نیچے؟ یہ تفصیل معتمد اور معتبر طریقہ سے ثابت نہیں۔

١۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنون طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے، چنانچہ ابو جحیفہ سے منقول ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:

من السنة وضع الكف على الكف في الصلوٰة تحت السرة (١)	نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنّت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ صحابی جب سنت کہے تو اس سے سنتِ نبویؐ ہی مراد

(١) ابوداؤد مع المنہل العذب ۱۶۲/۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۱/۱، دارقطنی ۲۸۶/۱، الفتح الربانی ۳ ۱۷۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتی ہے، علامہ زیلعی نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے:

واعلم ان الصحابی اذا اطلق اسم السنۃ فالمراد بہ سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱)

صحابی جب کسی بات کو سنت کہیں تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے۔

اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمان بن اسحاق واسطی آتے ہیں جن کو عام طور پر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے "القول المسدد" میں نقل کیا ہے کہ ترمذی نے ان کی ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے، حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن خزیمہ نے بھی ان سے روایت لی ہے (۲) گویا یہ روایت فی الجملہ معتبر ہے۔

۲ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے:

رأیت النبیؐ یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپؐ نماز میں ناف کے نیچے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھا کرتے تھے۔

⁘ ⁘ ⁘

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے، مصنف کے موجودہ نسخوں میں یہ روایت موجود نہیں، لیکن حافظ قاسم بن قطلوبغا، علامہ محمد ابوالطیب المدنی اور شیخ عابد سندھی جیسے علماء و محدثین نے خود اس حدیث کو کتاب میں دیکھا ہے، اور علامہ قائم سندھی نے اس کا معائنہ کیا ہے (۳) اس لئے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، کیوں کہ یہ کتاب بہت عرصہ تک قلمی صورت میں رہی ہے اور ایسے قلمی نسخوں

(۱) نصب الرایہ ۱/۳۱۴۔
(۲) القول المسدد: ۳۵
(۳) آثار السنن مع التعلیق الحسن ۱/۷۱-۷۰۔

میں بعض حصوں کا نقل سے رہ جانا مستبعد نہیں اور یہ حقیقت اہل علم سے مخفی نہیں۔

۳،۴۔ بعض تابعی جیسے ابراہیم نخعی (۱) اور ابو مجلز (۲) سے بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا معمول ثابت ہے۔

۵۔ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے:

اخذ الکف علی الکف فی الصلاۃ تحت السرۃ (۳)

حضرت ابوہریرہؓ نے نماز میں ناف کے نیچے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھا

اس روایت میں بھی عبدالرحمان بن اسحاق واسطی ہیں:

ان کے علاوہ علامہ ابن حزم نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے:

وضع الکف علی الکف فی الصلاۃ تحت السرۃ۔

انہوں نے نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھ رکھا تھا۔

۶۔ اور حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے:

ثلث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع الید الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ تحت السرۃ (۴)

تین باتیں اخلاقِ نبوی میں سے ہیں افطار میں عجلت، سحری میں تاخیر اور ناف کے نیچے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ بحالتِ نماز رکھنا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا معمول تھا، چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے:

صلیت مع رسول اللہ ووضع

میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰۔
(۲) ابوداؤد مع المنہل ۲/۱۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱
(۳) ابوداؤد مع المنہل ۲/۱۶۰۔
(۴) الجوہر النقی ۲/۳۲-۳۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

يده اليمنى على يده اليسرى على صدره (١)

ادا کی، آپ نے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ سینہ کے اوپر رکھا۔

یہ روایت سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں سب سے قوی دلیل سمجھی جاتی ہے لیکن اس کے راوی مؤمل بن اسماعیل ہیں، امام بخاری نے ان کو "منکر الحدیث" قرار دیا ہے، امام ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ نقلِ روایت میں بہت غلطی کرتے ہیں، "کثیر الخطاء"، امام ابوزرعہ نے بھی کہا ہے کہ ان کی نقلِ روایت میں بکثرت غلطی ہوتی ہے، فی حدیثه خطأ کثیر (٢)

سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ "فصل لربك وانحر" کی تفسیر میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے سینہ پر ہاتھ باندھنا مراد ہے (٣) لیکن اول تو ان روایتوں کے ضعیف ہونے پر یہی شہادت کافی ہے کہ مفسرین ومحدثین نے اس تفسیر پر اعتبار نہیں کیا ہے اور یہ تفسیر اپنے سیاق وسباق سے مطابقت بھی نہیں رکھتی ہے، دوسرے سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے، اس میں ایک راوی روح بن مسیب ہیں جن کے بارے میں ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ موضوع روایتیں نقل کرتے ہیں، ایک اور راوی "عمرو نکری" نام کے ہیں یہ بھی حد درجہ ضعیف ہیں، ابن عدی نے ان کو منکر الحدیث اور حدیثوں کا سارق قرار دیا ہے (٤)

نیز مسند احمد بن حنبل میں قبیصہ ابن ہلب کے واسطے سے ان کے والد حضرت

(١) صحیح ابن خزیمہ ١/٢٤٣۔
(٢) الجوہر النقی علی سنن البیہقی ٢/٣٠۔
(٣) بیہقی ٢/٣١ - ٣٠۔
(٤) الجوہر النقی مع البیہقی ٢/٣١ - ٣٠۔

ھلب سے نقل کیا گیا ہے:

رأيت النبي ينصرف عن يمينه وعن يساره ورأيته يضع هذه على صدره وصف يحيى اليمنى على اليسرى فوق المفصل۔ (١)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو (نماز کے بعد) کبھی دائیں طرف سے نکلتے ہوئے دیکھا اور کبھی بائیں طرف سے اور میں نے دیکھا کہ "اس کو اس پر" سینہ پر رکھا، راوی حدیث یحییٰ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر گٹوں کے اوپر رکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں "علی صدرہ" کا اضافہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت کو ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے اور مسند احمد میں بھی دوسری سندوں سے روایت منقول ہے، لیکن ان میں یہ اضافہ موجود نہیں، علامہ نیمویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اصل میں روایت کے الفاظ تھے یضع هذه علی هذه (اس ہاتھ کو اس ہاتھ پر رکھتے تھے) اور راوی نے اس کو "یضع علی صدرہ" روایت کر دیا، اسی لئے مجمع الزوائد، سیوطی کی جمع الجوامع اور علی متقی الہندی کی کنز العمال میں اس اضافہ کے ساتھ یہ روایت موجود نہیں ہے، حالاں کہ ان حضرات نے مسند احمد کی روایات کو بھی جمع کیا ہے۔ (٢)

مسند ابوداؤد طیالسی میں طاؤس سے نقل کیا گیا ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يده اليمنى على

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور

(١) مسند احمد
(٢) التعلیق الحسن علی آثار السنن ١/٦٨۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

يدہ اليسرىٰ ثم يشبك بهما	ان دونوں میں تشبیک کرکے سینہ پر
على صدرہ وهو فى الصلاة (۱)	رکھتے تھے جب نماز کی حالت میں ہوتے،

اول تو اس روایت کی سند متصل نہیں کیوں کہ طاؤس صحابیِ رسول نہیں ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ انہوں نے کسی اور راوی سے سن کر روایت کی ہو، دوسرے اس کی سند میں سلیمان بن موسیٰ ہیں جو طاؤس سے روایت کرتے ہیں، امام نسائی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں "لیس بالقوی" اور بخاری کا بیان ہے کہ ان کے یہاں ضعیف روایتیں پائی جاتی ہیں، عندہ مناکیر (۲)

بعض روایتوں میں ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، نہ سینہ پر اور نہ ناف کے نیچے، چنانچہ جریر ضبی نقل کرتے ہیں:

رأيت عليًا يمسك شماله	میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ آپ ناف
بيمينه على الرسغ فوق السرة.	کے اوپر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو
(۳)	گٹوں پر تھامے رہتے تھے۔

یہ اثر بسند صحیح منقول ہے اور نماز جیسے مسئلہ میں حضرت علیؓ کا یہ عمل بظاہر طبع زاد نہیں ہو سکتا بلکہ ضرور ہے کہ آپؓ نے ایسا حضورؐ کو دیکھتے ہوئے کیا ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضورؐ کا عمل صحیح سند سے حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے اور حضرت وائل کی اکثر روایات میں صرف اتنا سا ذکر ہے کہ آپؐ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، اس کا ذکر نہیں کہ آپؐ نے ہاتھ کہاں باندھا؟ کم سے کم اس مسئلہ میں حضرت وائلؓ سے بتیس (۳۲) سندوں سے ایسی روایتیں منقول ہیں کہ جس میں صرف دایاں ہاتھ کو بایاں ہاتھ پر باندھے کا

(۱) مراسیل ابوداؤد: ۶ مع سنن ابی داؤد سجستانی۔
(۲) التعلیق الحسن: ۶۸/۱۔
(۳) ابوداؤد مع المنہل ۱۶۴/۳۔

ذکر ہے، اس بات کا ذکر نہیں کہ ہاتھ کہاں باندھا جائے؟ (۱) اس لئے ہاتھ باندھنے کی جگہ کی بابت کوئی صحیح اور قوی روایت موجود نہیں، اس لئے علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے، لم يثبت فيه حديث يوجب العمل (۲)

اور صحاحِ ستہ کے مصنفین نے اس مسئلہ پر کہ ہاتھ کہاں باندھا جائے کوئی گفتگو ہی نہیں کی ہے، صرف ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے، اس لئے اس مسئلہ میں وسعت اور گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ سینہ پر یا سینہ سے نیچے اور ناف کے اوپر اور ناف کے نیچے تمام ہی صورتیں درست ہیں۔

امام ترمذی کی بات بہت درست ہے:

والعمل على هذا عند اهل	حضرات صحابہؓ، تابعین اور بعد کے اہل
العلم من اصحاب النبى ﷺ و	علم کا خیال ہے کہ نماز کی حالت میں
التابعين ومن بعدهم يرون	آدمی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے
ان يضع الرجل يمينه على شماله	اب بعض حضرات کا خیال ہے کہ ناف
فى الصلاة ورأى بعضهم ان	کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے
يضعها فوق السرة ورأى	کہ ناف سے نیچے رکھے، غرض ان
بعضهم ان يضعها تحت السرة	حضرات کے نزدیک اس مسئلہ میں
وكل ذلك واسع عندهم (۳)	وسعت اور کشادگی ہے۔

البتہ ہاتھ باندھنے کا مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اجلال ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں تعظیم کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے ناف کے نیچے ہاتھ کا باندھنا افضل معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) دیکھئے حاشیہ نصب الرایہ: ۳۱۶/۱
(۲) فتح القدیر: ۲۸۷/۱۔
(۳) ترمذی ۵۹/۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز میں امام اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، خود امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی اگر سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے تو سجدۂ سہو کرنا ہوگا اور سجدۂ سہو نہ کر سکے تو نماز نہیں ہوگی، نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھیں گے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق جہری نماز ہو یا سری امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا درست نہیں (۱) امام مالکؒ کے نزدیک بھی جہری نماز ہو یا سری مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں (۲) البتہ سری نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھ لینا مستحب ہے (۳) حنفیہ میں امام محمدؒ سے بھی ایک قول اسی طرح سے نقل کیا گیا ہے (۴)۔ یہی رائے فقہاء حنابلہ کے یہاں بھی راجح ہے (۵) امام شافعیؒ کا قولِ قدیم یہ ہے کہ جہری نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں سری نماز میں واجب ہے۔ قولِ جدید میں اختلاف ہے لیکن راجح قول کے مطابق جہری نماز ہو یا سری سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے (۶)

(۱) مجمع الانہر ۱/۱۰۶۔

(۲) الشرح الصغیر ۱/۳۰۹۔

(۳) حاشیہ صاوی علی الشرح الصغیر ۱/۳۰۹۔

(۴) مجمع الانہر ۱/۱۰۶۔ بحرالرائق ۱/۳۴۳۔

(۵) الروض المربع /۷۷۔

(۶) شرح مہذب ۳/۳۶۴۔

تاہم فقہاء شوافع کے یہاں سورۂ فاتحہ کے لئے امام کچھ وقفہ دیگا اور اسی وقفہ میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھیں گے یا ہر آیت پر جو سکتہ ہوتا ہے اس سکتہ میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے گا (۱) صحاح ستہ کے مصنفین میں امام ترمذی اور ابو داؤد کا رجحان جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کا ہے، نسائی اور ابن ماجہ نے دونوں نقاطِ نظر کے مطابق عنوان قائم کرنے پر اکتفا کیا ہے، غالباً ان حضرات کو اس مسئلہ میں تذبذب ہے امام مسلم چونکہ خود عنوانات قائم نہیں کرتے اس لئے ان کا نقطہ نظر واضح نہیں البتہ امام بخاری امام اور مقتدی ہر ایک کے لئے اور جہری و سری دونوں نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں، غرض فقہاء و محدثین کی آراء کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

(۱) امام اور تنہا نماز پڑھنے والے کیلئے بالاتفاق سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

(۲) مقتدی پر جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں البتہ مالکیہ اور ایک قول کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھ لینا بہتر ہے امام ترمذی اور ابو داؤد کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

(۳) سری اور جہری دونوں نمازوں میں مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے، یہ امام شافعیؒ کا قولِ جدید اور امام بخاری کی رائے ہے۔ تاہم امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ آیتوں کے درمیان سکتہ یا سورۂ فاتحہ کے بعد وقفہ میں پڑھا جائے گا صرف موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین کا خیال ہے کہ گو امام سورۂ فاتحہ کے پڑھنے میں مشغول ہو پھر بھی مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے گا، گویا مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ میں استماع اور انصات (توجہ سے سننا اور خاموش رہنا) کا حکم قرآنی ہے ہی نہیں؛

(۱) شرح مہذب ۳/۳۶۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اگر مقتدی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ہی درست نہیں۔

قرآن مجید

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل ——— دوسرے بزرگوں کی رائے کی ادنیٰ تفتیش کئے بغیر ——— بہت قوی ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذا قُرِیَ القراٰنُ فاستمعُوالہ وَانصِتُوا لعلکم ترحمُون ○ (اعراف: ۲۰۴)	جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو، شاید تم پر رحم کیا جائے۔

حدیث کی مشہور کتاب سننِ بیہقی میں مجاہدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انصار میں سے کچھ نوجوان امام کے پیچھے بھی قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اسی کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور مشہور محدث و فقیہ امام احمد بن حنبلؒ سے بیہقی نے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۱)

ابن کثیرؒ نے امام زہری سے بھی وہی بات نقل کی ہے جو اوپر بیہقی کے واسطہ سے امام مجاہد سے ذکر کی گئی ہے (۲) ابن کثیرؒ نے بھی مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے نیز سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت جہری نماز سے متعلق ہے (۳) مشہور مفسر علامہ قرطبی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ، ابن شہاب زہری، عطاء اور سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نماز ہی کی بابت نازل ہوئی ہے (۴) علامہ شوکانی نے بیہقی کے حوالہ سے حضرت

---

(۱) آثار السنن ۱/۸۴۔ (۲) تفسیر ابن کثیر ۲/۲۸۰۔
(۳) حوالۂ سابق ۲/۲۸۱۔ (۴) تفسیر قرطبی ۷/۳۵۲۔

عبداللہ ابن عباسؓ سے ہی نقل کیا ہے کہ یہ آیت فرض نمازوں سے متعلق ہے اور علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور امام مجاہدؒ کے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے بھی روایت کو نقل کیا ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ کے واسطے سے حسن بصری سے بھی روایت کی ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے۔ خود شوکانی کا بیان ہے:

قد روی نحو ھذا عن جماعۃ من السلف وصرحوا بأن ھٰذہ الاٰیۃ نزلت فی قراءۃ الصلاۃ من الامام۔ (۱)	اس طرح کی بات سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ یہ آیت امام کی نماز میں قرأت سے متعلق ہے۔

غرض یہ آیت نماز ہی سے متعلق ہے اور امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کرنا مقصود ہے جس میں ظاہر ہے کہ سورۂ فاتحہ بھی داخل ہے۔

احادیث

نماز میں امام کے پیچھے قرآن مجید بالکل نہ پڑھا جائے، اس سلسلہ میں احادیث اس کثرت سے منقول ہیں کہ ان سبھوں کا ذکر کرنا طول سے خالی نہ ہوگا یہاں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:-

۱۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ دخل المسجد فدخل رجل فصلّی وسلّم علی النبیؐ فردّ وقال ارجع فانّک لم تصلّ فرجع فصلی کما	حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ مسجد میں داخل ہوئے، ایک اور صاحب بھی داخل ہوئے، انہوں نے نماز ادا کی، آپؐ کو سلام کیا، آپؐ نے جواب دیا اور فرمایا کہ پھر نماز پڑھو کہ تم نے

---

(۱) فتح القدیر ۲/۲۹۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صَلّٰی ثم جاء فسلّم علی النبیّ فقال ارجع فصل فانك لم تصل ثلاثا فقال اذا قمت الی الصلاۃ فکبّر ثم اقرأ ما تیسّر من القرآن ثم ارکع الخ. (بخاری شریف: ۱/۱۰۴)

نماز نہیں پڑھی، وہ صاحب لوٹ گئے اور دوبارہ اسی طرح نماز ادا کی، پھر آئے اور آپ کو سلام کیا، آپ نے پھر لوٹنے اور نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، اسی طرح تین بار ہوا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو پھر قرآن کا جو حصہ بآسانی پڑھ سکتے ہو پڑھو، اس کے بعد رکوع کرو۔ الخ

غور کیجئے کہ اس حدیث میں آپ نے تکبیر تحریمہ کے بعد محض قرآن کے اس حصہ کو پڑھنے کا حکم فرمایا ہے جو آسانی سے پڑھ سکیں، یہ نہیں فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پڑھو، اگر سورۂ فاتحہ کے پڑھنے پر نماز کی ادائیگی موقوف ہوتی تو آپ کیسے ایسا حکم فرماتے؟؟

۲- عن عبد اللہ ابن بحینہ وکان من اصحاب رسول اللہ ان رسول اللہ قال هل قرأ احد منکم معی آنفا قالوا نعم قال انی اقول مالی انازع القرآن فانتھی الناس عن القراءۃ معه حین قال ذلك۔ (۱)

صحابی رسول حضرت عبد اللہ ابن بحینہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت پڑھا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ مجھ سے قرآن میں کیوں جھگڑا جاتا ہے؟ جب آپ نے یہ فرمادیا تو لوگ قرأت سے رک گئے۔

(۱) مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد وطبرانی: ۲/۱۰۹-۱۱۰، مجمع البحرین ۲/۱۱۷، مسند احمد: الفتح الربانی: ۳/۱۹۸۔

علامہ ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس روایت کے روایت کرنے والے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں۔

۳- عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ انصرف من صلاۃ جهر فیها بالقراءۃ فقال هل قرأ معی منکم أنفا فقال رجل نعم یا رسول اللہ قال انی اقول مالی انازع القرآن قال فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ فیما یجهر فیه من الصلوات عن القراءۃ حین سمعوا ذلك من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے، ایک شخص نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا، مجھ سے کیوں تلاوت قرآن میں نزاع کی جاتی ہے، چنانچہ لوگ جہری نمازوں میں یہ سننے کے بعد آپ کے ساتھ قرآن پڑھنے سے رک گئے۔

اس کو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ امام احمد نے بھی بیان کیا ہے (۲)

۴- عن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ (۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرآن مجید پڑھے تو تم خاموش رہو۔

ابن ماجہ اور دارقطنی کی ایک روایت میں مزید وضاحت ہے اور یوں روایت نقل کی گئی ہے:

(۱) ترمذی ۱/۶۹۔

(۲) مسند احمد: الفتح الربانی ۳/۱۹۷، موارد الظمآن /۱۲۶۔

(۳) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بمسند احمد ۳/۱۹۷، دارقطنی ۱/۳۲۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا أمين واذا ركع فاركعوا الخ (۱)

امام اس لئے ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب قرارت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع میں جاؤ

(۵) عن ابی اکیمہ قال سمعت ابا هريرة يقول صلى النبي صلى الله عليه واله وسلم باصحابه صلوٰة نظن انها الصبح فقال هل قرأ منكم احد قال رجل انا، قال انی اقول مالی انازع القرآن.

(۲)

ابو اکیمہ رضؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے، میرا گمان ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے، آپؐ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے قرآن پڑھا؟ ایک نے کہا میں نے پڑھا ہے، آپؐ نے فرمایا: قرآن کے معاملے میں مجھ سے کیوں جھگڑا جاتا ہے (یعنی جب میں قرآن پڑھ رہا ہوں تو پھر تم کیوں قرآن پڑھتے ہو؟)

امام مالکؒ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: فانتهى الناس عن القرآن مع رسول الله فيما جهر فيه رسول الله بالقراءة حين سمعوا ذٰلك من رسول الله صلى الله عليه واله وسلم (۳)

۶۔ عن ابی الاحوص عن

ابو الاحوص عبداللہ بن عمر رضؓ سے نقل

(۱) ابن ماجہ ۱/۶۱۔

(۲) ابن ماجہ ۱/۶۱ و مؤطا امام مالکؒ۔

(۳) مؤطا امام مالک مع شرح الزرقانی ۱/۱۶۹۔

عبد الله بن عمر قال كانوا يقرؤن خلف النبي فقال خلطتم على القراءة۔ (۱)

کرتے ہیں، انہوں نے کہا لوگ حضورؐ کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ مجھ پر قرآن کو خلط ملط کرتے ہو؟

⁘ ⁘

اصل بات یہ ہے کہ امام کی قرارت چونکہ مقتدی کی طرف سے بھی ہوتی ہے، اس لئے جماعت کی نماز میں مقتدی کے لئے قرارت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

۷۔ عن جابرؓ قال قال رسول الله من كان له امام فقراءة الامام له قراءة (۲)

حضرت جابر رضؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرارۃ ہی مقتدی کی طرف سے قرارت ہے

ترکمانی نے اس کو مصنف ابن ابی شیبہ کی سند سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے هٰذا اسناد صحيح (۳)

اس مضمون کی روایتیں متعدد صحابہ کرام رضؓ سے منقول ہیں:

۸۔ عن ابی الدرداء قال سُئِل رسول الله أفي كل صلوٰة قراءة، قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت هٰذه فقال لی رسول الله وكنت اقرب القوم اليه "ما ارى الامام اذا ام القوم الا كفاهم" (۴)

حضرت ابودرداء رضؓ راوی ہیں کہ آپؐ سے سوال کیا گیا کیا ہر نماز میں قرارت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، ایک انصاری نے کہا یہ تو واجب ہو گئی، حضورؐ نے مجھ سے فرمایا اور میں اس وقت مجلس میں آپؐ سے سب سے زیادہ قریب تھا کہ میرا خیال ہے کہ امام کی قرارت مقتدی کو کافی ہو جائے گی۔

(۱) مسند احمد: ابو یعلیٰ، بزار قال الہیثمی رجال احمد رجال الصحیح۔ طحاوی ۱۲۸ وطبرانی، مجمع الزوائد ۲/۱۱۰۔

(۲) دار قطنی ۱/۳۲۳، ابن ماجہ ۱/۶۱، مؤطا امام محمد، طحاوی ۱۲۸۔ (۳) الجوہر النقی ۲/۱۵۹، سنن بیہقی ۲/۱۵۹، کتاب الآثار لامام محمد ۱/۱۷۰۔ (۴) دار قطنی ۱/۳۳۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ ہیثمی نے اس روایت کو معجم کبیر للطبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے، اسنادہٗ حسنٌ۔ (مجمع الزوائد ۲/۱۱۰)

۹۔ عن ابی موسیٰ الاشعری قال علمنا النبیؐ قال اذا قمتم الی الصلوٰۃ فلیؤم احدکم واذا قرأ الامام فانصتوا۔ (۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ہم لوگوں کو سکھایا اور فرمایا کہ جب تم نماز کو کھڑے ہو تو تم میں سے ایک شخص امامت کرے اور جب امام قرارت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔

۱۰۔ عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ الامام فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا اٰمین (۲)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام قرآن مجید پڑھے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔

۱۱۔ عن ابن مسعود قال کانوا یقرؤن خلف رسول اللہ فقال خلطتم علی القرآن۔ (۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ لوگ رسول اللہ کے پیچھے قرآن پڑھا کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا تم لوگوں نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا ہے۔

علامہ ہیثمی نے لکھا ہے رجال احمد رجال الصحیح (۴)

(۱) مسند احمد، دارقطنی ۱/۳۳۰، الفتح الربانی ۳/۱۹۷۔ (۲) مسند ابوعوانہ۔
(۳) مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد، مسند ابویعلیٰ، مسند بزار ۲/۱۱۰، طحاوی ۱۲۸۔
(۴) الفتح الربانی ۳/۱۹۸۔

۱۲۔ عن عمران بن حصین قال کان النبیؐ یصلی بالناس ورجل یقرأ خلفه فلما فرغ قال من ذا الذی یخالجنی سورۃ کذا فنھاھم عن القراءۃ خلف الامام۔ (۱)

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک شخص آپؐ کے پیچھے قرآن پڑھ رہا تھا جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو فرمایا کون ہے جو مجھ پر فلاں سورت کو خلط ملط کر رہا ہے؟ پھر آپؐ نے لوگوں کو امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔

مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن اس میں فنھاھم الخ کے الفاظ نہیں ہیں (۲)۔

۱۳۔ عن انسؓ ان النبی قال أتقرؤن فی صلوٰتکم خلف الامام والامام یقرأ فسکتوا فقالھا ثلاثاً فقالوا انا لنفعل فقال لاتفعلوا۔ (۳)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کیا تم لوگ اپنی نماز میں امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو حالانکہ امام بھی قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے؟ لوگ خاموش رہے تو آپؐ نے تین بار یہی باتیں فرمائیں، لوگوں نے کہا ہم لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ایسا نہیں کرو۔

۱۴۔ عن جابر بن عبداللہ — حضرت جابر حضورؐ سے نقل کرتے ہیں

(۱) بیہقی ۲/۱۶۲۔ دارقطنی ۱/۳۳۶۔
(۲) مسلم ۱/۱۷۲۔ مسند احمد: الفتح الربانی ۳/۱۹۹۔
(۳) طحاوی: ۱۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن النبیؐ انه قال من صلی رکعة ولم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام (۱)

کہ آپؐ نے فرمایا جس نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو اور مقتدی ہو۔

دارقطنی نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰه ان النبیؐ قال: کل صلاة لا یقرأ فیها بام الکتاب فهی خداج الا ان یکون وراء الامام۔ (۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس کے کہ امام کے پیچھے ہو۔

۱۵۔ عن ابن عباس قال کان رسول اللّٰهؐ یقول من صلی رکعة ولم یقرأ فیها بام الکتاب فلم یصل الا وراء الامام۔ (۳)

عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے جو ایک رکعت نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس نے نماز نہیں پڑھی سوائے اس کے کہ امام کے پیچھے ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے:

۱۶۔ من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام۔ (۴)

جس نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ امام

(۱) طحاوی ۱۲۸، ورواہ مالک والترمذی موقوفاً ۱/۱۷، بموطا امام مالک مع الزرقانی ۱/۱۷۵۔ بیہقی ۲/۱۶۰۔
(۲) دارقطنی ۱/۳۲۷۔
(۳) کشف الغمہ عن جمیع الامۃ للشعرانی۔
(۴) بیہقی ۲/۱۶۰۔

کے پیچھے ہو۔

۱۷۔ عن عون ابن عباسؓ عن النبیؐ قال تکفیك قراءة الامام خافت او جهر (۱)

حضرت ابن عباسؓ ناقل ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: امام کی قرارت تمہارے لئے کافی ہے جہری نماز ہو یا سری۔

اس روایت میں ایک راوی عاصم بن عبدالعزیز ہیں جن کو دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ راوی ثقہ اور معتبر ہیں اور امام ترمذی اور ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے۔ (۲)

۱۸۔ عن زید بن ثابت قال قال النبیؐ من قرأ خلف الامام فلا صلوٰة له (۳)

زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

۱۹۔ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة (۴)

جو امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کے حق میں امام کی قرارت ہی اس کی قرارت ہے۔

اس حدیث کی سند گو ضعیف ہے لیکن بہرحال دوسری روایات کے لئے تائید و تقویت کا باعث ہے۔

آثارِ صحابہؓ

احادیث کے بعد دین میں سب سے زیادہ اہمیت صحابۂ کرامؓ کے عمل اور ان

(۱) دارقطنی ۱/۳۳۱۔
(۲) دیکھئے تقریب التہذیب ۱/۲۸۵۔
(۳) امام الکلام للعلامہ لکھنوی ص: ۳۳۔
(۴) مجمع البحرین ۲/۱۱۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے اقوال و ہدایات کو حاصل ہے اس لئے کہ انہوں نے حضورؐ کی زندگی کو بچشم سر دیکھا تھا اور آپؐ کے ایک ایک عمل اور سنت کو اپنی جان اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، دین اور بالخصوص عبادات کے معاملے میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ یا کمی بدعت ہے۔ اگر صحابہؓ کے عمل کے بارے میں یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہدایت، عمل اور سنت کے خلاف عمل کیا کرتے تھے تو یہ گویا ان کو "بدعتی" قرار دینے کے مرادف ہوگا حالانکہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اس لئے اب یہاں چند صحابہ کرامؓ کے اعمال اور ان کے ارشادات بھی ملاحظہ کرلئے جائیں۔

۱۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا:

من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام۔ (۱)	جس نے ایک رکعت نماز پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی سوائے اس کے کہ امام کے پیچھے ہو۔

۲۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا:

لاقراءۃ مع الامام فی شیئ (۲)	امام کی اقتدا میں کچھ بھی قرأت نہ کی جائے۔

ایک اور روایت میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے: من قرأ وراء الامام فلا صلاۃ (۳) اور مصنف عبدالرزاق میں "فلا صلاۃ لہ" کے الفاظ ہیں(۴)۔

۳۔ عبداللہ ابن مقسمؒ نے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

(۱) مؤطا امام مالکؒ مع الزرقانی ۱/۱۷۵۔
(۲) مسلم، باب سجود التلاوۃ ۱/۲۱۵۔
(۳) بیہقی ۲/۱۶۳۔
(۴) مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۷

سے مقتدی کی قرارت کے متعلق پوچھا تو بہوں نے جواب دیا:۔

لایقرأ خلف الامام فی شیئ من الصلوٰۃ (۱)	امام کے پیچھے نماز میں قرآن بالکل نہ پڑھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے:

کان اذا سئل ھل یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ۔ (۲)	جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرارت کی جائے تو فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لئے امام کی قرارت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو خود قرارت کرے۔

نیز قاسم بن محمدؒ راوی ہیں:۔

کان ابن عمر لایقرأ خلف الامام جھر اولم یجھر۔ (۳)	حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرارت نہیں کرتے تھے، جہری نماز ہو یا سری۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ قرارت خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے (۴)

۴۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ ابنِ مسعودؓ میری امت کے لئے جس بات کو پسند کریں اس کو میں نے پسند کیا اور جس سے

(۱) طحاوی ۱/۱۲۹۔
(۲) مؤطا امام مالک مع شرح زرقانی ۱/۱۷۸، بیہقی ۲/۱۶۱۔
(۳) بیہقی ۲/۱۶۱۔
(۴) مصنف عبدالرزاق ۲/۱۴۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابن مسعودؓ راضی نہیں ہوئے اس سے میں راضی نہیں ہوا (۱) اور جن کے متعلق حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اخلاق واطوار میں ابن مسعودؓ سے زیادہ حضورؐ کے مشابہ کوئی اور نہ تھا (۲) انہوں نے امام کے پیچھے تلاوتِ قرآن کے متعلق فرمایا:

انصت للقراءۃ فان فی الصلوٰۃ	قرآن مجید پڑھتے وقت خاموش رہو
شغلاً وسیکفیك ذالك	اس لئے کہ نماز میں ایک خاص مصروفیت
الامام۔	ہے اور قرارت کے لئے تمہارا امام
(۳)	کافی ہے۔

علامہ ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں ورجاله موثقون (۴)

اور یہ کہ:

لیت الذی یقرأ خلف الامام	جو امام کے پیچھے قرآن مجید پڑھتا ہے
ملئ فوہ ترابا (۵)	کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

۵۔ حضرت ابو الدرداءؓ سے منقول ہے کہ امام ہی کی قرارت مقتدی کیلئے بھی کافی ہو جائے گی۔

لا اری الامام اذا ام القوم	میں سمجھتا ہوں کہ جب امام قوم کی امامت
الاقد کفاھم۔	کرے تو اس کی قرارت ہی مقتدی کے
(۶)	لئے کافی ہو جائے گی۔

۶۔ عن ابی جمرۃ قال قلت	ابو جمرہؒ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۹/۲۹۰۔ (۲) بخاری ۱/۵۳۱

(۳) طبرانی د مجمع البحرین ۲/۱۱۹ – طحاوی ۱۲۹

(۴) مجمع الزوائد ۲/۱۱۱۔

(۵) طحاوی: ۱۲۹۔

(۶) الفتح الربانی ۲/۱۹۹، دارقطنی ۱/۳۳۳، بیہقی ۲/۱۶۲، طحاوی ۱۲۷، مسند احمد۔

لابن عباس اقرأ والامام	ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا میں قرآن
بین یدی فقال لا۔	پڑھوں اس حال میں کہ امام میرے
(۱)	سامنے ہو انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من قرأ خلف الامام فقد	جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا اس نے
خطأ الفطرۃ۔ (۲)	فطرت کے خلاف کیا۔

۸۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وددت ان الذی یقرأ خلف	جو امام کے پیچھے قرآن پڑھتا ہے میرا
الامام فی فیه جمرۃ۔	جی چاہتا ہے کہ اس کے منہ میں آگ کا
(۳)	شعلہ رکھ دوں۔

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

وددت ان الذی یقرأ خلف	جو امام کے پیچھے قرآن پڑھتا ہے میرا
الامام فی فیه حجر۔	دل چاہتا ہے کہ اس کے منہ میں پتھر
(۴)	رکھ دوں۔

حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ تمہارے لئے امام کی قرارت کافی ہے (۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

وددت ان الذی یقرأ خلف	میرا دل چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے

(۱) طحاوی، ۱۲۹۔ (۲) احکام القرآن للجصاص ۳/۵۲، الجوہر النقی ۲/۱۵۶۔ دارقطنی ۱/۳۳۲، مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶، احکام القرآن ۳/۵۲۔

(۴) مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۸۔

(۵) تکفیك قراءۃ الامام (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

الامام فی فیہ جمرۃ۔ (۱) — قرارت کرنے والے کے منہ میں چنگاری رکھ دوں۔

۱۰۔ عبداللہ بن زیدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ دس صحابہ حضرت ابوبکر، عمرؓ عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سختی سے امام کے پیچھے قرآن مجید پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ ینھون عن القراءۃ خلف الامام اشد النھی (۲)

موسیٰ بن عقبہؒ سے مروی ہے:

ان رسول اللہ وابوبکر وعمر وعثمان کانوا ینھون عن القراءۃ خلف الامام (۳) — رسول اللہؐ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرارت کرنے سے منع فرماتے تھے۔

۱۱۔ حضرت سوید بن غفلہؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے ظہر و عصر میں قرآن پڑھا جائے؟ فرمایا کہ نہیں (۴)

۱۲۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ صحابہؓ میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا عام معمول نہیں تھا چنانچہ نافع بن محمود سے مروی ہے کہ ابونعیم سورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے اور ان کے پیچھے حضرت عبادہ بن صامتؓ سورۂ فاتحہ پڑھنے لگے تو نافع نے بطور تعجب کے پوچھا:

سمعت تقرأ بام القرآن و ابونعیم یجھر بالقراءۃ۔ (۵) — میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابونعیم جہراً قرارت کر رہے تھے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۶۔
(۲) عمدۃ القاری ۲/۶۷۔
(۳) مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۹۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۷۔
(۵) بیہقی ۲/۱۶۵۔

غور فرمایا جائے کہ اگر اس زمانہ میں عام معمول امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کا ہوتا تو سائل کے لئے یہ بات کیوں باعثِ حیرت ہوتی؟

عقل و قیاس

یہ عقل و قیاس کا تقاضہ بھی ہے، اس لئے کہ جب آدمی کسی کو اپنا ترجمان اور نمائندہ بناتا ہے تو خود بولنے کے بجائے خاموش رہتا ہے اور صرف اس کا ترجمان ہی گفتگو کیا کرتا ہے۔ امام کی حیثیت جماعت کی طرف سے ترجمان و نمائندہ ہی کی ہے اس لئے مقتدی کو خاموشی ہی اختیار کرنی چاہیے۔

امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کے دلائل

تاہم ایسا نہیں ہے کہ جن سلف صالحین کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جائے گی ان کی رائے یکسر بے دلیل ہے۔ مختلف حدیثیں ہیں جو اس کی تائید میں ہیں۔ چند روایات ذکر کی جاتی ہیں:

ان رسول اللہ قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (۱) — آپؐ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو فاتحہ نہیں پڑھے۔

اس مضمون کی روایت ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ سے، مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے، ابن ماجہ وطحاوی نے حضرت عائشہؓ سے اور بعض دوسرے صحابہ سے بھی نقل کی ... ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاریؒ نے تو اس مضمون کی روایت کے تواتر کے ساتھ منقول ہونے کا دعویٰ کیا ہے (۲) لیکن اس

---

(۱) بخاری ۱/۱۰۴، مسلم ۱/۱۶۹، ابوداؤد ۱/۱۱۹، ترمذی ۱/۵۷، ابن ماجہ ۶۰، عن عبادہ بن صامت۔
(۲) جزء القرارت ص: ۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھی جائے گی، یہ تو خود احناف کو بھی تسلیم ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے لیکن یہ کہ امام کی اقتدار کرنے والے بھی سورۂ فاتحہ پڑھیں، حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی فرضیت بھی ثابت نہیں کی جاسکتی۔ اولاً تو اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہ وغیرہ کی روایت میں کہا گیا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز "خداج" ہے۔ "خداج" کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ کوئی شئی بالکل پائی ہی نہ جائے بلکہ "خداج" سے مراد ہے کسی چیز کا نقص کے ساتھ پایا جانا۔ فرض کو ترک کردینے کی وجہ سے صرف نقص پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ عمل درست ہی نہیں ہوتا، اسی لئے احناف نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو واجب قرار دیا ہے۔ واجب سے مراد ایسے اعمال ہیں جو ضروری ہوں، ان کو ترک کرنے کی وجہ سے اس عمل میں نقص باقی رہ جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عبادت اور عمل بالکل ہی رائیگاں ہوجائے، اس طرح احناف کا عمل ٹھیک ان احادیث کے مطابق ہے۔

دوسرے بعض روایات میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن مجید کے کچھ اور حصہ کے قرات کو بھی اسی طرح ضروری قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے مروی ہے:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً۔(۱) — اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ اور کچھ قرآن نہیں پڑھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے:

لا صلوٰۃ الا بقرآن ولو — قرآن کے بغیر نماز نہیں، چاہے سورۂ

(۱) ابوداؤد عن محمود بن ربیع۔ ۱/۱۱۹۔

بفاتحۃ الکتاب فما زاد(۱) — فاتحہ اور کچھ اور قرآت کردی جائے

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد و سورۃ۔(۲) — اس کی نماز نہیں جو فاتحہ اور ایک اور سورت نہ پڑھے۔

اس مضمون کی روایت ابوداؤدؒ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے اور رفاعہ ابن رافعؓ سے بھی نقل کیا ہے، ان روایات میں آپؐ نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن مجید کے کچھ اور حصہ کی تلاوت کا بھی ٹھیک اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا، اس لئے احناف نے سورۂ فاتحہ کو بھی واجب قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی سورت کی تلاوت کو بھی تاکہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے۔

اب جو لوگ اوپر ذکر کی گئی حدیث سے سورۂ فاتحہ کا فرض ہونا ثابت کرتے ہیں، آخر ان حدیثوں کی وجہ سے قرآن کے کچھ اور حصہ کی قرآت کو بھی کیوں فرض نہیں کہتے اور جیسے ان احادیث سے مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں، سورۂ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن پاک کی تلاوت کو ان کے حق میں کیوں فرض قرار نہیں دیتے؟ معلوم ہوا کہ یہاں "لا صلوٰۃ (نماز نہیں ہوگی)" کا حکم مقتدی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کو خدا کے رسولؐ نے قرات کی اجازت دی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو یا تو خود امام ہوں یا تنہا نماز پڑھ رہے ہوں نہ کہ مقتدی کے لئے جن کو قرآت سے منع کیا گیا ہے، نیز "نماز نہیں ہوگی" سے مراد یہ نہیں ہے کہ "نماز صحیح نہیں ہوگی" بلکہ مراد یہ ہے

(۱) ابوداؤد عن عثمان نہدی۔ ۱/۱۱۸۔

(۲) ترمذی ج ۱ ص ۳۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ "نماز کامل نہ ہوگی بلکہ ناقص ہوگی"، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَاصَلٰوۃَ لجار المسجد الّا فی المسجد (مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوگی مگر مسجد ہی میں) یہاں بھی ٹھیک وہی "لاصلوٰۃ" فرمایا گیا ہے اور بالاتفاق اس سے یہی مراد ہے کہ نماز کامل نہ ہوگی نہ یہ کہ نماز صحیح نہیں ہوگی۔

۲۔ من صلی صلوۃ لم یقرأ فیها بام القرأن فھی خداج ثلاثاً غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بھا فی نفسک (۱)

جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور نماز پڑھے اس کی نماز ناقص ہے اور ناتمام۔ تین بار فرمایا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی سے کہا گیا کہ ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں، فرمایا: دل ہی دل میں پڑھو۔

اس حدیث میں "قرأت فی النفس" سے ضروری نہیں کہ آہستہ پڑھنا مراد ہو بلکہ غالباً دل ہی دل میں پڑھنا مراد ہے جسمیں زبان پر الفاظ کا تلفظ نہ ہوسکے، بہت سے مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ زبان و ہونٹ میں کوئی حرکت نہیں ہوتی لیکن آدمی دل ہی دل میں ایک بات کہتا رہتا ہے۔ "فی النفس" کا لفظ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسے حضرت عثمان بن ابی العاص کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی قوم کا امام مقرر کیا تو میں نے آپ سے عرض کیا:

انی اجد فی نفسی شیئاً (۲) میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں۔

"فی النفس" کے معنی دل ہی دل میں غور و تدبر کے بھی ہیں، آیت قرآنی "واسرھا یوسف فی نفسہٖ" (یوسف:) میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

چنانچہ فقہاء مالکیہ میں عیسیٰ اور ابن نافع سے منقول ہے کہ اس سے قلب پر

---

(۱) مسلم ۱۶۹/۱، ابوداود ۱۱۹/۱، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی ص ۶۰۔
(۲) مشکوٰۃ المصابیح، باب ماعلی الامام، الفصل الثالث۔

اجراء قرآن مقصود ہے ولعلہ اراد اجراءھا علی قلبہ دون ان یقرأھا بلسانہ (۱)

۳۔ کنا خلف النبیؐ فی صلوٰۃ الفجر فثقلت علیہ القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم ھکذا یا رسول اللہ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأبھا۔ (۲)

ہم لوگ نماز فجر میں حضورؐ کے پیچھے تھے، آپؐ پر قرأت مشکل ہوگئی، پھر جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو! ہم نے کہا ہاں ایسا ہی ہے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرو، اس لئے کہ اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

جو لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے قائل ہیں، یہی حدیث ان کی سب سے صریح اور واضح دلیل ہے، کاش کہ یہ جس قدر صریح ہے اسی قدر صحیح بھی ہوتی مگر ایسا نہیں ہے، اس روایت کی سند میں متعدد ایسے سقم پیدا ہوگئے ہیں کہ اس سے استدلال کیا جانا صحیح نہیں ہے۔

اوّل اس کے سلسلۂ سند میں محمد بن اسحاق ہیں، جن کی روایتیں فقہی احکام سے متعلق حدیثوں میں معتبر نہیں مانی جاتیں (۳) دوسرے اس کی سند میں اضطراب ہے جو اہلِ فن کے نزدیک روایت کو مجروح کر دیتا ہے۔ پھر اس میں "مکحول" نامی راوی نے "عن" کے ساتھ روایت نقل کی ہے حالانکہ وہ مدلس ہیں اور مدلس کی روایت "عن" کے ساتھ مشکوک ہوتی ہے (۴)

---

(۱) زرقانی ۱۷۶/۱۔ (۲) ابوداود ۱۱۹/۱، ترمذی، عن عبادہ بن صامت۔
(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۶، ابن حجر الدرایہ کتاب الحج۔ (۴) آثار السنن ۷۶/۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ حضرت ابو عبادہؓ کی روایت الفاظ کے فرق کے ساتھ مختلف لوگوں نے نقل کی ہے، چنانچہ نسائیؒ اور ابوداوٗد کی ایک اور روایت کے الفاظ اسطرح ہیں:

فلا تقرؤا بشیٔ من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن۔	جب میں زور سے قرآن پڑھوں تو سورۂ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو۔

اس روایت کے سلسلۂ سند میں ایک راوی "نافع بن محمود بن ربیع" جن کا معتبر اور غیر معتبر ہونا معلوم نہیں، چنانچہ خود حافظ ابن حجر (جو قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں) نے نافع کو "مستور" مانا ہے (۱)

۵۔ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قضى صلوته اقبل عليهم بوجهه فقال أتقرؤن فى صلوتكم والامام يقرأ فسكتوا فقال لهم ثلاث مرات فقال قائل أو قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا ليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب فى نفسه۔ (۲)	آپؐ نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی پھر آپؐ نے نماز مکمل کرلی تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، کیا تم لوگ امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو حالانکہ امام قرأت کرتا رہتا ہے، صحابہ خاموش رہے، آپؐ نے تین دفعہ یہی بات فرمائی، پھر ایک کہنے والے نے یا مختلف کہنے والوں نے عرض کیا: ہم لوگ ایسا کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو، چاہیے کہ تم صرف دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرو۔

اس روایت میں بھی اولاً تو "قرأت فاتحہ فی النفس کا حکم دیا گیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذر چکا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟

(۱) دیکھئے تقریب التہذیب /۵۵۸۔ (۲) بیہقی ۲/۱۶۶ عن ابی قلابہ عن انسؓ۔

نیز امام بیہقیؒ نے اس روایت کو "غیر محفوظ" قرار دیا ہے (۱)

۶۔ قال النبیؐ لعلكم تقرؤن والامام يقرأ مرتين او ثلاثاً قالوا يا رسول الله انا لنفعل قال لا تفعلوا الا ان يقرأ احدكم بفاتحة الكتاب (۲)	آپؐ نے دو یا تین بار فرمایا: شاید تم لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو لوگوں نے عرض کیا، ہم لوگ ایسا کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو، سوائے اس کے کہ تم سورۂ فاتحہ پڑھو۔

ابن حجر نے اس حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے لیکن بعض اہل علم کو اس کی صحت میں کلام ہے۔ (۳)

۷۔ اذا قرأ الامام بام القرآن فاقرأبها واسبقه فانه اذا قال ولا الضالين قالت الملئكة أمين من وافق ذلك قمن ان يستجاب بهم۔ (۴)	امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو اور امام سے پہلے پڑھ لیا کرو، اسلئے کہ جب وہ وَلَا الضَّالین کہتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں، پس جس کی دعا اس کے موافق ہو امید ہے کہ ان کی دعا قبول کرلی جائے۔

یہ حدیث سند کے اعتبار سے قابلِ قبول ہے لیکن اس حدیث کا مضمون "اسبقه" کہ قرأت میں امام سے سبقت کرو، حدیث "انما جعل الامام ليؤتم به" (امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے) اور اسلام کی مجموعی تعلیم جس میں امام کی اتباع کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس پر سبقت کرنے کو شدت سے

(۱) سنن کبریٰ ۲/۱۶۹۔
(۲) الفتح الربانی ۳/۱۹۸۔
(۳) آثار السنن ۱/۸۱۔
(۴) بخاری عن ابی ہریرۃ فی جزء القراءۃ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

منع کیا گیا ہے، کے خلاف ہے ———————— اس ٹکراؤ اور تعارض نے اس کی صحت اور استناد کو ایک گونہ مشتبہ کر دیا ہے۔

۸۔ قال رسول اللہ من صلی صلوٰۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ (۱)	آپؐ نے فرمایا جو امام کے ساتھ فرض نماز ادا کرے، اسے سکتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔

اس میں ایک راوی محمد بن عبد اللہ لیثی ہیں، جن کو ابن معین، دار قطنی، امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

آثارِ صحابہ رضؓ

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرارت سے متعلق آثارِ صحابہ رضؓ بھی ہیں، امام بخاری نے "جزو قرأت الفاتحہ خلف الامام" میں ایسے اکثر آثار کو جمع کر دیا ہے۔

۱: عبد اللہ بن عمر رضؓ سے امام کے پیچھے قرارت کے بارے میں استفسار کیا گیا تو فرمایا:

ماکانوا یرون باساً ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب (۲)	لوگ سورۃ فاتحہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

اس کی سند میں یحیٰی بن بکار ہیں جو ضعیف ہیں (۳)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھوں؟ تو فرمایا: ہاں، دریافت کیا گیا چاہے آپ خود قرآن پڑھ رہے ہوں؟ فرمایا

(۱) مستدرک حاکم عن ابی ہریرۃ رضؓ۔
(۲) بخاری فی الجزء عن یحیٰی البکار۔
(۳) تقریب التہذیب ۲/۵۵۔

"ہاں" چاہے میں خود قرآن پڑھ رہا ہوں (۱)۔

اس روایت میں ایک راوی "جواب تیمی" ہیں جن کو بعض نے معتبر اور بعض نے غیر معتبر قرار دیا ہے، ابن حجرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: صدوق رمی بالارجاء (۲) نیز اس سے صرف سورۃ فاتحہ ہی کا پڑھنا معلوم نہیں ہوتا بلکہ امام کے پیچھے مطلقاً قرآن پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، حالانکہ غیر مقلد حضرات بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔

۳۔ عن ابی بن کعب انہ کان یقرأ خلف الامام (۳)	حضرت ابی بن کعب رضؓ امام کے پیچھے قرآن پڑھتے تھے۔

اس کی سند میں "زیاد بکائی" ہیں جو حدیث کی روایت میں کمزور سمجھے گئے ہیں۔

۴۔ عن علی بن ابی طالب انہ کان یأمر و یحب ان یقرأ خلف الامام فی الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورۃ و فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب (۴)۔	حضرت علی رضؓ حکم دیتے تھے اور پسند کرتے تھے کہ ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورت اور اخیر کی رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔

اس سے اولاً تو صرف سری نمازوں میں مقتدی کا قرآن پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے سورۃ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت ملانے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے، ظاہر ہے ہمارے سلفی بھائی بھی ان باتوں کے قائل نہیں ہیں۔ تیسرے اس روایت کو سفیان ابن حسین نے زہری سے نقل کیا ہے اور امام احمد کی رائے ہے کہ سفیان کی روایت زہری سے معتبر نہیں (۵)

(۱) طحاوی ۱۲۹ و دار قطنی۔ (۲) تقریب التہذیب ۱۴۳/۔
(۳) بخاری فی جزء القراءۃ۔ (۴) دار قطنی و بخاری فی جزءہ۔
(۵) دیکھئے التعلیق الحسن: ۸۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۔	عن ابی مریم سمعت ابن مسعود یقرأ خلف الامام (۱)	ابو مریم کہتے ہیں: میں نے ابن مسعودؓ کو امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہوئے سُنا ہے۔

اس روایت کو شریک نے اشعث بن ابی شعثاء سے نقل کیا ہے حالانکہ شریک کا اشعث سے سماع ثابت نہیں ہے (۲)

۶۔	عن جابر بن عبد اللہ قال کنا نقرأ فی الظہر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب (۳)	حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم ظہر و عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

. . . .

اس کی سند میں ایک راوی "سعید بن عامر" ہیں، جن کو بعض محققین نے نامعتبر سمجھا ہے۔ دوسرے اس سے بھی صرف سری نماز ہی میں امام کے پیچھے قرأت ثابت ہوتی ہے۔ تیسرے مؤطا امام مالکؒ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بسند صحیح اسکے متعارض روایت منقول ہے (۴)

۷۔	عن ابن عباس قال اقرأ خلف الامام بفاتحۃ الکتاب فی الظہر والعصر (۵)	ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ظہر و عصر میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرو۔

اس سے بھی صرف سری نمازوں ہی میں قرارت ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱) بخاری فی جزء ۹۔
(۲) دیکھئے التعلیق الحسن: ۸۳۔
(۳) ابن ماجہ ۱/۶۱
(۴) دیکھئے مؤطا امام مالک مع الزرقانی ۱/۱۷۵۔
(۵) طحاوی ۔ ۱۲۱۔ باب القرآۃ فی الظہر والعصر۔

خلاصۂ بحث

حاصل یہ ہے کہ:

(۱) احادیث اور صحابہؓ کے آثار کثرت سے احناف کے مسلک کی تائید کرتے ہیں، قرآن مجید تو گویا ان کی رائے پر ناطق ہے اور قیاس بھی انہیں کا مؤید ہے۔

(۲) امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے سلسلے میں جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ یا تو صراحتاً امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کو بتاتی نہیں ہیں اور بتاتی ہیں تو ان کی سند عموماً کمزوری سے خالی نہیں ہے۔

(۳) تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں ہے اور یہ بالکل بے اصل ہے جب کہ بعض صحابہؓ سے بھی اس کے مطابق عمل منقول ہے۔

(۴) اسی طرح احناف کی طرف سے میں نے جو روایات و آثار پیش کئے ہیں وہ عموماً صحیح اور قوی سندوں سے ثابت ہیں تاہم ان میں بعض روایات ضعیف بھی ہیں جو محض تقویت کے لئے ذکر کردی گئی ہیں۔

واللہ اعلم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آمین زور سے کہا جائے یا آہستہ؟

"آمین" ایک دعائیہ لفظ ہے، جس کے معنی ہیں "بارِ الٰہا! اس دعا کو قبول فرمالیجئے" (اللّٰھم استجب لی)

سورۂ فاتحہ کا آخری جزو دعائیہ ہے جس میں سیدھی راہ کی ہدایت اور معتوب و گمراہ قوموں کی کجروی و انحراف سے اجتناب کی توفیق کی دعا کی گئی ہے، اس پر آمین کون کہے اور کس طرح کہے؟ اس میں اہلِ علم کی رائیں مختلف ہیں، امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق امام آمین نہ کہے گا بلکہ صرف مقتدی آمین کہیں گے (۲) دوسرے فقہاء کے نزدیک امام و مقتدی دونوں آمین کہیں گے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک آمین آہستہ کہی جائے گی، یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے (۳) امام احمدؒ کا خیال ہے کہ آمین زور سے کہی جائے (۴) امام شافعیؒ کا قولِ جدید امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہے اور قدیم رائے امام احمدؒ کی رائے کے موافق، جس پر فقہ شافعی میں فتویٰ ہے (۵)

امام مالکؒ سے بھی دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں، البتہ عمل زور ہی

---

(۱) النہایۃ لابن اثیر ۱/۴۲۔
(۲) شرح الزرقانی علی المؤطا ۱/۱۸۰۔
(۳) الشرح الصغیر ۱/۳۲۷۔
(۴) المغنی ۱/۲۹۰۔
(۵) المہذب مع شرح ۳/۳۶۸۔

سے آمین کہنے پر ہے (۱)

بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو آمین کے زور سے یا آہستہ کہے جانے کے سلسلے میں چند طرح کی روایات ہیں، کچھ وہ ہیں جو صراحتاً آمین کو زور سے کہے جانے کو بتاتی ہیں۔ بعض احادیث و آثار سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا اور صحابہؓ کا معمول آہستہ آمین کہنے کا تھا، اسی طرح بعض احادیث سے اشارتاً آمین کا زور سے کہنا اور بعض سے آہستہ کہنا معلوم ہوتا ہے۔

جہر کی روایتیں:

وہ حدیثیں جو آمین میں جہر کو بتاتی ہیں، حسب ذیل ہیں:

كان رسول الله اذا قرأ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب
ولا الضالين قال آمين	وَلَا الضالین پڑھتے تو بہ آوازِ بلند
رفع بها صوته (۲)	آمین کہتے۔

یہ وہی حضرت وائلؓ کی روایت ہے جس میں شعبہ اور سفیانِ ثوریؒ میں اختلاف ہوا ہے جیسا کہ مذکور ہوگا۔ شعبہ نے وائل بن حجرؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں: اخفی بہ صوتہ (آمین پست آواز میں کہا) طبرانی اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ "وَلَا الضالین" کے بعد آپؐ نے فرمایا رب اغفرلی، آمین (۳) اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے تین بار آمین کہا۔ قال آمين ثلاث مرات (۴) ـــ بخاریؒ و مسلمؒ خود بھی جہر کے ساتھ آمین کے قائل ہیں۔ اور اس

---

(۱) المیزان الکبریٰ للشعرانی ۱/۱۶۸۔ رحمۃ الامۃ ص: ۴۲۔ اوجز المسالک ۱/۲۵۔
(۲) ابوداؤد ۱/۱۳۴۔ ومد بہا صوتہ، ترمذی ۱/۵۷ وغیرہ عن وائل بن حجرؓ۔
(۳) بیہقی ۲/۱۵۸۔
(۴) دیکھئے مجمع الزوائد ۲/۱۱۲۔ آثار السنن والتعلیق الحسن ۱/۹۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

رائے کے ناصر و مددگار ہیں لیکن اس کے باوجود شاید اسی اضطراب کے پیش نظر اپنی صحیحین میں اس حدیث کی تخریج نہیں کی ہے۔

پھر غور کرو کہ سفیان اس روایت کے راوی ہیں اور خود ان کا مسلک آمین آہستہ کہنے کا ہے نہ کہ زور سے کہنے کا، جب راوی خود روایت پر عمل نہ کرے تو یقیناً یہ بات اس روایت کے قبول و استناد اور اعتبار و اعتماد کو مجروح کر دیتی ہے۔

۲۔ کان النبیؐ اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع صوتہ وقال اٰمین (۱)	آپؐ جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو جاتے تو بہ آواز بلند آمین کہتے۔

دار قطنی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور حاکم نے تو اس کو صحیحین کی سطح کی روایت قرار دیا ہے لیکن محققین کو اس سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں یحییٰ بن عثمان نے اسحاق سے روایت کی ہے اور یحییٰ متکلم فیہ راوی ہیں اور اسحاق بن ابراہیم بن علاء زبیدی بھی ایسے راوی ہیں کہ جن کو عام طور پر محدثین نے قبول نہیں کیا ہے۔ امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، یہاں تک کہ محدث حمصؒ محمد بن عون طائیؒ نے کاذب و جھوٹا بتایا ہے دوسرے خود امام دار قطنی نے اپنی کتاب العلل میں اعتراف کیا ہے کہ اس روایت کی مختلف سندوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے اصل الفاظ اس طرح ہیں: اذا امن الامام فامنوا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو (۲) ظاہر ہے کہ اگر روایت کے صحیح الفاظ اس طرح ہوں تو

(۱) دار قطنی ۱/۳۳۵ و مستدرک حاکم، البیہقی ۲/۵۸ عن ابی ہریرۃؓ۔
(۲) الجوہر النقی ۲/۵۶، آثار السنن والتعلیق الحسن ۱/۹۳۔

جہر کے لئے یہ حدیث صریح باقی نہیں رہے گی۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ قال ترك الناس التامین وکان رسول اللہ اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال اٰمین حتی یسمع اھل الصف الاول فیرتج بھا المسجد (۱)	حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے کہا، لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا ہے، حالانکہ رسول اللہؐ جب "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کہتے تو آمین کہتے، یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سن لیتے اور مسجد گونج جاتی۔

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو شاید اس مسئلہ میں برہانِ قاطع ہوتی مگر افسوس کہ یہ بھی ضعف سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس میں ایک راوی بشر بن رافع ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، امام بخاری، ابن معین اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے ان کے ضعف کی صراحت کی ہے، ابن عبدالبر نے ان کو منکر حدیث قرار دیا ہے، اور ابن حبان کو تو ان پر وضعِ حدیث کا بھی شبہ ہے، نیز مسند ابویعلیٰ اور سُننِ ابوداؤد میں انہیں "بشر بن رافع" سے یہ روایت منقول ہے، لیکن اس میں یرتج بھا المسجد (آمین کی آواز سے مسجد گونج جاتی تھی) کے الفاظ نہیں ہیں، اس لئے ان الفاظ کی صحت بھی مشتبہ ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو عبداللہ آئے ہیں جو مجہول ہیں (۲)

۴۔ عن ام الحصین انھا صلت خلف النبیؐ فی صف النساء فسمعتہ یقول الحمدُ	حضرت ام حصینؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپؐ کے پیچھے عورتوں کی صف میں نماز ادا کی، انہوں نے آپؐ

(۱) ابن ماجہ ص: ۶۱۔
(۲) دیکھئے: تحقیق الدکتور مصطفیٰ اعظمی علیٰ ابن ماجہ ۱/۱۵۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لله رب العالمين، الرحمن الرحيم مالك يوم الدين) حتى بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين حتى سمعته وهي في صف النساء (۱)

کو (الحمد لله رب العالمين، الرحمن الرحيم تک یوم الدین) کہتے سنا، یہاں تک کہ جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہا، یہاں تک کہ انہوں نے بھی سنا حالانکہ وہ عورتوں کی صف میں تھیں

اس روایت کے سلسلۂ سند میں "اسماعیل بن مسلم مکی" ہیں، علامہ ہیثمی نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہیں (۲)

۵۔ ان رسول الله قال اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه۔ (۳)

آپ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس لئے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو جائے اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام بہ آواز بلند آمین کہے اور تم بھی اس کے جواب میں آمین کہو، یہ حدیث آمین کے بالجہر ہونے پر صریح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ امام کب آمین کہتا ہے؟ امام کا بلند آواز میں آمین کہنا ضروری نہیں، بلکہ سورۂ فاتحہ کی تکمیل خود اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ اب امام آمین کہہ رہا ہے، لہٰذا اس وقت مقتدی کو بھی آمین کہنا چاہئے۔

---

(۱) طبرانی فی الکبیر بواسطہ مجمع الزوائد ۱/۱۱۳-۱۱۴۔
(۲) مجمع الزوائد ۲/۱۱۴۔
(۳) بخاری ۱/۱۰۸ عن ابی ہریرۃ رضی

دوسرے اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ صرف امام کے لئے جہر کے ساتھ آمین کا ثبوت ملتا ہے، مقتدیوں کے لئے نہیں۔

۶۔ عن بلال انه قال يا رسول الله لا تسبقني بآمين (۱)

حضرت بلال سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آمین کہنے میں آگے نہ بڑھ جایئے۔

اس روایت کو ابو عثمان نہدی نے حضرت بلال سے نقل کیا ہے حالانکہ ابو عثمان کی حضرت بلال سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہے، بیہقی نے نقل کیا ہے کہ ابو عثمان نے اس روایت کو سلمان سے اور سلمان نے حضرت بلال سے روایت کیا ہے لیکن خود بیہقی نے اعتراف کیا ہے کہ سلمان ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔

آہستہ کہنے کی روایتیں

وہ احادیث و آثار جو آمین کے آہستہ کہے جانے کو بتاتی ہیں اس طرح ہیں:

۱۔ صلى بنا رسول الله فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين وخفض بها صوته (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی، جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آہستہ سے آمین کہا۔

ہر چند کہ سند کے اعتبار سے یہ صحیح حدیث ہے لیکن اس حدیث کی الفاظ میں اضطراب ہے، تاہم چونکہ یہ حدیث ہی زیادہ تر اس مسئلہ میں محل بحث ہے اس لئے ہم اس پر آگے گفتگو کریں گے۔

---

(۱) ابو داؤد ۱/۱۳۴ عن ابی عثمان۔
(۲) ترمذی ۱/۵۸، مسند احمد (الفتح الربانی ۳/۲۰۵)، مسند طیالسی، دارقطنی، مستدرک حاکم عن وائل بن حجر۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- كان رسول الله يعلمنا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے
يقول لا تبادروا الامام اذا كبر	تو فرماتے کہ امام سے آگے نہ بڑھ جاؤ
فكبروا واذا قال ولا الضالين	جب وہ اللہ اکبر کہے تو اللہ اکبر کہو اور
فقولوا آمين (۱)	جب وَلا الضالین کہے تو آمین کہو۔

اس حدیث سے صراحۃً تو آمین کا آہستہ کہنا نہیں معلوم ہوتا ہے، البتہ اس ہدایت میں کہ جب امام " ولا الضالین " کہے تو تم آمین کہو، اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ امام " آمین " کے لفظ کو آہستہ ادا کرے گا۔

۳- ان سمرة بن جندب	حضرت سمرہ بن جندبؓ اور عمران بن
وعمران بن حصين تذاكرا	حصینؓ کی باہم گفتگو ہوئی تو سمرہؓ نے
فحدث سمرة بن جندب	نقل کیا کہ انہوں نے آپؐ سے " دو
انه حفظ عن رسول الله (ص)	سکتے " یاد کئے ہیں، ایک وقفہ
سكتتين، سكتة اذا كبر	جب اللہ اکبر کہتے اور دوسرا جب آپؐ
وسكتة اذا فرغ من قراءة	" غیر المغضوب علیہم ولا الضالین " سے
غير المغضوب عليهم ولا الضالين	فارغ ہوتے، حضرت عمران بن حصینؓ
فحفظ سمرة وانكر عليه عمران	نے اس سے انکار کیا تو دونوں حضرات نے
فكتب فى ذلك الى ابى بن كعب	ابی بن کعبؓ کو اس کی تحقیق کے لئے
فكان فى كتابه اليهما او فى	خط لکھا، حضرت ابی بن کعبؓ نے
رده عليهما ان سمرة	جواب دیا کہ سمرہؓ کی یاد داشت
قد حفظ۔ (۲)	درست ہے۔

(۱) مسلم عن ابی ہریرۃ ۱/۱۷۶۔
(۲) ابوداؤد عن حسن ۱/۱۱۳۔

اس میں ولا الضالین کے بعد وقفہ اور بالجہر قراءت سے خاموشی اس بات کی علامت ہے کہ آپؐ آمین آہستہ کہا کرتے تھے۔ اس روایت کو سمرہ بن جندبؓ سے حسن اور حسن سے مختلف راوی نقل کرتے ہیں، قتادہ نے مذکورہ تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد ہوا کرتا تھا لیکن یونس بن عبید اور اشعب بن عبدالملک نے بھی اس روایت کو حسن سے نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا سکتہ رکوع سے پہلے ہوا کرتا تھا نہ کہ سورۂ فاتحہ کے بعد، اس لئے بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں قتادہ سے وہم ہو گیا ہے (۱)

۴- كان عمر وعلى لا يجهران	حضرت عمرؓ و علیؓ بسم اللہ، اعوذ
بسم الله الرحمن الرحيم ولا	باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے
بالتعوذ ولا بآمين (۲)	تھے۔

یہ مضبوط اور قوی دلیل ہوتی مگر افسوس کہ یہ بھی ضعف سے خالی نہیں۔ اس میں ایک راوی ابو سعید ہیں جن کو اکثر ناقدین حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۵- ان رسول الله قال اذا	آپؐ نے فرمایا کہ جب امام " غیر المغضوب
قال الامام غير المغضوب	علیہم ولا الضالین " کہے تو آمین کہو کہ جس
عليهم ولا الضالين فقولوا آمين	کی آمین فرشتوں کے موافق ہو جائے
فانه من وافق قوله قول الملائكة	اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے
غفرله ما تقدم من ذنبه (۳)	جائیں گے۔

یہاں بھی امام کے آمین کہنے کا ذکر نہیں، گویا اس نے آمین آہستہ کہا ہو گا۔

(۱) ملاحظہ ہو: سنن ابوداؤد ج ۱، باب السکتۃ عند الافتتاح۔ ص: ۱۸۳
(۲) طحاوی عن ابی وائل ص: ۱۲۰۔
(۳) بخاری عن ابی ہریرۃ ۱/۱۰۳۔ نسائی ۱/۱۴۷، دارمی ۱/۲۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۔ عن ابی موسیٰ الاشعری قال ان رسول اللّٰہ خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا اٰمین یجبکم اللّٰہ۔ (۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا، ہمارے لئے ہمارا طریق واضح فرمایا اور نماز کی تعلیم دی، چنانچہ فرمایا جب نماز پڑھو تو صفوں کو درست کرلو پھر تم میں سے کوئی امامت کرے، جب امام اللہ اکبر کہے تو اللہ اکبر کہو اور جب "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کہے تو آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔

❖ ❖ ❖

وائل بن حجرؓ کی روایت

اس باب میں فریقین کی طرف سے سب سے صحیح اور صریح روایت حضرت وائل بن حجر کی ہے، جن سے سفیان نے صراحۃً جہر کے ساتھ آمین کہنا نقل کیا ہے اور شعبہ نے صراحۃً آہستہ کہنا نقل کیا ہے۔

جو اہلِ علم آمین بالجہر کے قائل ہیں انہوں نے ترجیح کی راہ اختیار کی اور سفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور اس کے لئے درج ذیل وجوہ بتائے ہیں:

۱۔ اوّل یہ کہ شعبہ نے اس روایت کو نقل کرنے میں متعدد غلطی کی ہے چنانچہ حجر کو "ابوالعنبس" (عنبس کا باپ) قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ابن العنبس (عنبس کے بیٹے) اور ابوالسکن (سکن کے باپ) ہیں۔ (۲) اس روایت کو حجر بن عنبس نے براہِ راست

(۱) مسلم ۱/۱۷۴، باب التشہد فی الصلوٰۃ۔

وائل بن حجرؓ سے نقل کیا ہے، جب کہ "شعبہ" نے حجر بن عنبس اور وائل بن حجرؓ کے درمیان علقمہ بن وائلؓ کو واسطہ بنایا ہے۔ (۳) حضرت وائلؓ کے الفاظ ہیں: قال اٰمین ومد بہا صوتہ (اپنی آواز کھینچی) اور شعبہ نے نقل کردیا ہے خفض بہا صوتہ (اپنی آواز پست رکھی)۔

دوم یہ کہ سفیان اہلِ فن کے نزدیک شعبہ سے زیادہ ثقہ اور قابلِ قبول ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک اس بات میں میرے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر سفیان اور شعبہ کی روایت میں باہم ٹکراؤ پیدا ہوجائے تو سفیان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

تیسرے خود شعبہ نے اعتراف کیا ہے کہ سفیان مجھ سے زیادہ قوی الحفظ ہیں، سفیان احفظ منی۔

چوتھے شعبہ کی روایت کے مطابق اس حدیث کو علقمہ بن وائل نے اپنے والد وائل بن حجر سے نقل کیا ہے حالانکہ علقمہ چھ ہی ماہ کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور ان کو اپنے والد سے کچھ سننے کا موقع ہی نہ مِل سکا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی اعتراض میں وزن نہیں ہے عربوں میں یہ بات عام تھی کہ دادا اور پوتے کا ایک ہی نام ہوا کرتا تھا، حجر کے والد کا نام بھی عنبس تھا اور لڑکے کا بھی، اس طرح وہ ابوالعنبس بھی ہیں اور ابن العنبس بھی، عنبس کے ایک اور بھائی ہیں، ان کا نام "سکن" ہے، اس طرح دو لڑکوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے کنیت ابوالعنبس بھی تھی اور ابوالسکن بھی، خود ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے:۔ "حجر ابن العنبس ابوالسکن الکوفی وھوالذی یقال لہ حجر ابوالعنبس" نیز جس طرح شعبہ نے "ابوالعنبس" کے لفظ سے نام ذکر کیا ہے اسی طرح ابوداؤد کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

روایت میں محمد بن کثیرؒ اور دارقطنی کی روایت میں وکیع اور محاربی نے سفیان سے بھی ابو العنبس ہی کے الفاظ نقل کئے ہیں اور کہا ہے کہ وہ ابن العنبس بھی ہیں اور ابو العنبس بھی (۱)۔

جہاں تک علقمہ کے واسطے کی بات ہے تو اہلِ علم اس بات سے واقف ہیں کہ روایت میں اگر ایک ہی شخص سے راوی نے براہ راست بھی حدیث سنی ہو اور اس حدیث کو کسی اور کے واسطے سے بھی سنی ہو تو حدیث بیان کرتے ہوئے کبھی اس واسطے کا ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی نہیں کیا جاتا ہے، شعبہ تک چوں کہ دونوں طرح یہ روایت پہونچی تھی اس لئے انہوں نے علقمہ کا واسطہ بھی ذکر کر دیا، چنانچہ مسند احمد اور مسند ابوداؤد وطیالسی میں صراحت موجود ہے کہ شعبہ نے سلمہ بن کہیل سے نقل کیا کہ حجر نے ان سے بتایا کہ میں نے اس حدیث کو علقمہ سے بھی سنا ہے اور براہِ راست وائل بن حجر سے بھی، اس لئے شعبہ کا سند میں علقمہ کا ذکر کرنا ان کی بھول نہیں ہے بلکہ کمالِ حفظ کی دلیل ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ حدیث کے الفاظ تھے "ومدّ بہا صوتہ" اور شعبہ نے روایت کر دیا "خفض بہا صوتہ"، تو یہ محض گمان ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور شعبہ جیسے فقیہ و محدث سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اتنی بڑی غلطی کر جائیں گے، حالانکہ الفاظ اور مفہوم دونوں ہی اعتبار سے ان دونوں فقروں میں کوئی مناسبت نہیں ہے، اس طرح شعبہ و سفیان میں ترجیح دینا جب کہ دونوں کی ثقاہت محدثین کے نزدیک مسلّمہ ہے، آسان نہیں ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید سفیان پر شعبہ کو ترجیح دیتے ہیں، یہی رائے امام نسائی نے امام بخاری سے نقل کی ہے

ع۵ دیکھئے: ۱/۱۴۴، بابُ التأمین ورار الامام۔

(۱) دارقطنی ۱/۳۳۳۔

اگر شعبہ
میں ش
جو حف
ہوں
اگر کسی
لئے کر
راوی
کا اعتر
ضعیف
سخت
عدا
میں آ
اللہ صلی
نسبتاً
طرف
وَا
(۱) مخ
(۲) آ

اگر شعبہ نے سفیان کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے تو خود سفیان نے بھی حدیث میں شعبہ کو "امیر المؤمنین" قرار دیا ہے (۱)

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ دو ایسے راویوں کے درمیان ترجیح کی کوشش جو حفظ و ثقاہت اور اعتبار و استناد میں اہلِ فن کی نگاہ میں خاص مقام رکھتے ہوں، صحیح نہیں ہے اور دونوں ہی روایتیں ہم پلّہ اور ایک ہی درجہ کی ہیں اور اگر کسی کو ترجیح ہی پر اصرار ہو تو پھر شعبہ کو سفیان پر ترجیح دی جانی چاہئے اس لئے کہ سفیان اپنی روایت میں "تدلیس" بھی کیا کرتے تھے اور اس میں قوی و ضعیف راوی کا بھی لحاظ نہیں رکھتے تھے، خود حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی نے اس کا اعتراف کیا ہے جب کہ حافظ ذہبی ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ ضعیف راوی تو کجا قوی راوی سے بھی تدلیس سے گریز کرتے تھے اور اس کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ (۲)

عدل و اعتدال کی راہ

انصاف کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلند آواز میں آمین کہنا بھی ثابت ہے اور آہستہ بھی اور یہ دونوں ہی صورتیں فی الجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور طریقوں میں سے ہیں، البتہ ان دونوں میں سے نسبتاً زیادہ بہتر اور افضل کون سا طریقہ ہے، اس کے لئے ہم کو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، قرآن مجید نے دعا کے آداب اس طرح بتائے ہیں:

وَادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اپنے رب سے دعا کرو عاجزی ظاہر کرکے اور چپکے چپکے

---

(۱) ملخص از آثار السنن ص ۹۷، بذل المجہود

(۲) آثار السنن ۱/۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یعنی دل میں تضرع و خشیت کی کیفیت ہو اور آواز، ہلکی و آہستہ ہو پھر اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ "آمین" دعا ہی ہے، خود امام بخاری نے عطارؒ سے نقل کیا ہے، قال عطاء اٰمین دعاء۔ اس کا تقاضا ہے کہ "آمین" کو بھی ہلکی آواز ہی میں کہا جائے۔

دوسرے نماز میں اصول یہ ہے، دو ہی چیزیں جہر کے ساتھ پڑھی جائیں قرآن مجید اور تکبیرات انتقال، اور آمین کے ذریعہ نہ تو ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف انتقال کیا جاتا ہے اور نہ یہ جزوِ قرآن ہی ہے ——— اس کا بھی تقاضا ہے کہ آمین کو آہستہ ہی کہا جانا چاہیئے۔

یہ دونوں باتیں دراصل اس مسئلہ میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہیں اور آمین میں سر اور خفاء کے بہتر اور راجح ہونے کو بے غبار کر دیتی ہیں، رہ گیا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین جہراً کیوں پڑھی؟ تو ایک تو یہ بتانے کے لئے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔ اور دین میں اس معاملے میں کشائش اور توسع ہے، نہ کہ غلو اور تنگی، دوسرے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ واردین اور نو مسلموں کی رعایت سے کبھی کبھی ان کلمات کو بھی بلند آواز سے ادا فرماتے تھے جو اصل میں آہستہ ادا کرنے کے ہیں، حضرت عمرؓ کا بھی اسی طرح کا معمول تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ "ثناء" کے کلمات بلند آواز میں پڑھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک بار تعوذ کو زور سے پڑھا "آمین" کو تعلیماً زور سے پڑھے جانے پر اس حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے جو ابو بشر دولابی نے "کتاب الاسماء والکنیٰ" میں یحییٰ بن سلمہ کے واسطہ سے حضرت وائلؓ سے نقل کی ہے کہ آپؐ نے آمین زور سے کہی اور میں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ نے ایسا ہم لوگوں کی تعلیم کے لئے کیا، مَا اَرَاهُ اِلَّا لِیُعَلِّمَنَا (۱)

الفاظ ۱ جہا وعم جماع مختا اذ کان علیٰ صرف اولویت آہستہ دیا ہے رحمۃ ا آمین ج سے ثابت (۱) الجو (۲) فی

مناسب ہوگا کہ اس بحث کے اختتام پر امام طبری کی تحقیق ان ہی کے الفاظ میں نقل کر دی جائے۔

الصواب ان الخبرین بالجهر بها والمخافتة صحیحان وعمل بكل من فعلیه جماعة من العلماء وان كنت مختاراً خفض الصوت بها اذ كان اكثر الصحابة والتابعین علیٰ ذٰلك (۱)	صحیح یہ ہے کہ آمین کے جہر و سر دونوں کی روایتیں صحیح ہیں اور ہر روایت پر اہل علم کی ایک جماعت نے عمل کیا ہے لیکن اگر تم ترجیح ہی دو تو آواز کو پست رکھو، اس لئے کہ اکثر صحابہ و تابعین کا اسی پر عمل تھا۔

صرف فضیلت کا اختلاف

تاہم جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ اختلاف صرف افضلیت اور اولویت کا ہے اور فقہاءِ احناف کے نزدیک بھی بالجہر آمین کہنا جائز ہے البتہ آہستہ کہنا بہتر ہے۔ بعض فقہاء نے آمین کے زور سے کہنے کو مکروہ قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک ایسا کہنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تو صراحۃً قنوتِ نازلہ میں بھی جہر کی اجازت دی ہے، پھر آمین جو خود بھی ایک دعائیہ لفظ ہے اور جس کا جہر سے ادا کیا جانا حدیث سے ثابت ہے، مکروہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ (۲)

(۱) الجوہر النقی ۲/ ۵۱۶۔
(۲) فیض الباری ۲/ ۲۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

رُکوع سے پہلے اور رُکوع کے بعد رفعِ یدین

اس بات پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ نماز کا افتتاح کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، علامہ ابن حزمؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ کو چھوڑ کر عام فقہاء و محدثین کے نزدیک یہ مسنون و مستحب ہے اور اوزاعی اور ابن حزمؒ کے نزدیک رفعِ یدین واجب ہے (۱) البتہ فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز میں کن مواقع پر رفعِ یدین کیا جائے گا؟ امام ابوحنیفہؒ اور قولِ مشہور کے مطابق امام مالکؒ کے نزدیک صرف ابتداءِ نماز میں ہی رفعِ یدین کیا جائے گا۔ یہی رائے متعدد اکابر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سے منقول ہے اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا یہی طریقہ تھا (۲)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفعِ یدین کرنا مسنون یا مستحب ہے، بعض صحابہ سے بھی یہی طریقہ نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کا عمل بھی

---

(۱) شرحِ زرقانی علی مؤطا امام مالک ۱/۱۵۷۔

(۲) ترمذی ۱/۵۹ باب رفع الیدین عند الرکوع۔

اسی پر تھا، حسن بصری، ابن سیرین اور بعض سلف صالحین سجدے میں جاتے ہوئے بھی رفعِ یدین کیا کرتے تھے (۱)

رفعِ یدین نہ کرنے پر احادیث

غرض تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی رفعِ یدین کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا بہتر ہے؟ اس سلسلہ میں حضرات صحابہؓ کرام اور سلفِ صالحین کے زمانہ ہی سے اختلافِ رائے ہے اور یہ اختلاف محض زیادہ اور کم بہتر کا ہے، نہ یہ کہ اس پر نماز کا صحیح یا قبول ہونا موقوف ہے لیکن افسوس کہ ہمارے زمانہ میں بعض حضرات نے ایک ایسے جزوی اور فروعی مسئلہ کو ایسی اہمیت دیدی ہے کہ گویا نماز کا صحیح ہونا اسی پر موقوف ہو، بلکہ بعض نادان اور کم فہم لوگ تو بر ملا کہتے ہیں کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوسکتی۔ (اللہ تعالیٰ ان حضرات کی اصلاح فرمائے)

اسی پس منظر میں پہلے ان احادیث و آثار کا ذکر کرتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں صرف تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفعِ یدین ہی اصل مسنون طریقہ ہے:

۱۔ قال عبد اللہ بن مسعود	حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کیا میں تم
الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول	لوگوں کو حضورؐ کی طرح نماز پڑھاؤں؟
اللہ فصلی فلم یرفع یدیہ	پھر نماز پڑھائی تو صرف پہلی بار (آغازِ
الا فی اول مرۃ۔ (۲)	نماز میں) رفعِ یدین کیا۔

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۱/۱۳۳۔ رحمۃ الامۃ: ۳۸۔ اوجز المسالک ۱/۲۰۲۔ الثمر الدانی: ۸۸۔

(۲) ابوداؤد ۱/۱۰۹۔ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ترمذی ۱/۵۹۔ نسائی / دارقطنی ۱/۲۹۳۔ سننِ بیہقی ۲/۶۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۶۔ طحاوی: ۱۳۲ مؤطا امام محمد: ۹۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے (۱)، علامہ ابن حزمؒ نے صحیح قرار دیا ہے (۲) اور مشہور محدث یحییٰ بن سعید القطان نے بھی (۳) اور اس کے تمام راوی صحیح مسلم کے ہیں (۴)، نسائی نے اس کو ایسی سند سے نقل کیا ہے جس کے تمام راوی بخاری و مسلم کے ہیں، سوائے عاصم بن کلیب اور سوید بن نصر کے، عاصم مسلم کے راویوں میں ہے اور سوید بھی ثقہ راوی ہیں (۵)

۲- عن براء بن عازب كان	براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ
النبیؐ اذا كبر لافتتاح الصلوٰة	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آغاز نماز
رفع يديه ...... ثم	کیلئے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے، پھر
لا يعود۔ (۶)	دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں:

۳- صليت مع رسول الله	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
وابى بكر وعمر فلم يرفعوا	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ نماز
ايديهم الا عند	پڑھی یہ حضرات صرف آغاز نماز ہی
استفتاح الصلوٰة۔ (۷)	میں رفع یدین کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند بھی قابلِ قبول ہے (۸)

---

(۱) ترمذی ۱/۵۹، باب رفع الیدین عند الرکوع (۲) المحلیٰ ۴/۸۸۔
(۳) الفتح الربانی (۴) الجوہر النقی ۱/۱۳۷۔
(۵) اعلاء السنن ۳/۴۸۔
(۶) ابوداؤد باب مالم یذکر الرفع عند الرکوع، سنن بیہقی ۲/۷۶، دارقطنی ۱/۲۹۳۔
مصنف عبدالرزاق ۲/۷۱۔ ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۶۔
(۷) سنن بیہقی ۱/۱۳۸۔ (۸) دیکھئے، الجوہر النقی ۱/۱۳۸۔

۴- لا ترفع الايدى الا فى	صرف سات ہی مواقع پر رفع یدین
سبع مواطن اذا قام الى	کیا جائے، جب نماز شروع کرے،
الصلوٰة واذا رأى البيت	جب بیت اللہ کو دیکھے، صفا پر،
وعلى الصفا والمروة وفى	مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں
عرفات وفى جمع وعند الجمار (۱)	اور رمی جمار کے وقت۔

یہ روایت مجمع الزوائد (۲/۱۰۳) میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

۵- میمون مکی سے مروی ہے کہ:

رأى عبد الله بن الزبير	انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو
وصلى بهم يشير بكفيه	دیکھا کہ انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی
حين يقوم وحين يركع	تو ابتدائے نماز، رکوع کو جاتے اور سجدہ
وحين يسجد وحين ينهض	میں جاتے اور دوسری رکعت کیلئے
للقيام فيقوم فيشير بيديه	کھڑے ہوتے وقت دونوں ہتھیلیوں
فانطلقت الى ابن عباس	سے اشارہ کیا، میں نے حضرت عبداللہ
فقلت انى رأيت ابن الزبير	ابن عباسؓ کے پاس جاکر کہا کہ میں نے
صلى صلوٰة لم أر أحدا	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس طرح
يصليها فوصفت له	نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اور کسی
الاشارة فقال ان	کو بھی اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں
احببت ان تنظر الى	دیکھا، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے
صلوٰة رسول الله صلى	فرمایا کہ اگر تم کو پسند ہو کر رسول اللہؐ

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ۱/۲۳۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الله علیه وسلم فاقتد — کی نماز کو دیکھو تو ابن زبیرؓ کی اقتدار
بصلوٰۃ عبد الله بن الزبیر(۱) — کرو۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا عام معمول رفعِ یدین نہ کرنے کا تھا، اسی لئے تو جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے رفعِ یدین کیا تو راوی کو حیرت ہوئی اور وہ رفع حیرت کے لئے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے دریافت کرنے آئے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی گفتگو کا منشایہ تھا کہ یہ طریقہ بھی حضورؐ سے ثابت ہے، اس لئے اس سے توحش نہ چاہئے۔

آثار صحابہؓ

۱۔ رأیت عمر بن الخطاب — میں نے حضرت عمرؓ کو پہلی تکبیر میں
یرفع یدیه فی اول تکبیرة — رفعِ یدین کرتے دیکھا، اس کے بعد پھر
ثم لا یعود (۲) — رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔

امام طحاوی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ ترکمانی نے الجوہر النقی میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسلم کی سطح کی ہے، صحیح علی شرط مسلم۔ خود حافظ ابن حجرؒ نے "الدرایة فی تخریج احادیث الهدایه" میں اس کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ هذا رجاله ثقات۔

۲۔ ان علیاً کان یرفع — حضرت علیؓ تکبیر اول میں رفعِ یدین
یدیه فی اول تکبیرة من — کرتے تھے۔ اس کے بعد نہیں

(۱) ابوداؤد ۱/۱۰۸۔
(۲) طحاوی: ۱۳۳۔ ابن ابی شیبہ عن اسود ۱/۲۳۷۔

الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعد (۱) — کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر جو خود رفعِ یدین کے قائل ہیں، انہوں نے بھی "الدرایة" میں اس روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے، بیہقی نے اس روایت کے ایک راوی "ابوبکر نہشلی" پر جرح کیا ہے مگر علامہ ابن ترکمانی وغیرہ نے ان کی تنقید کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھا ہے۔ اس لئے کہ امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معین اور ابو حاتم جیسے ناقدین حدیث نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور بخاری و مسلم اور ترمذی نے ان کی سند سے روایت نقل کی ہے (۲)۔

۳۔ وعن مجاهد قال — مجاہد سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمرؓ
صلیت خلف ابن عمر فلم — کے پیچھے نماز ادا کی، انہوں نے تکبیر اولیٰ
یکن یرفع یدیه الا من — کے سوا نماز میں کسی اور موقع پر رفعِ
التکبیرة الاولیٰ من الصلوٰۃ(۳) — یدین نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا رفعِ یدین نہ کرنے کا معمول ان کے ایک اور شاگرد عبدالعزیز بن حکم سے بھی منقول ہے (۴)، حالانکہ ابن عمر ہی کی روایت رفعِ یدین کے قائلین کی اصل دلیل ہے۔

۴۔ کان عبد الله بن مسعودؓ — حضرت ابن مسعودؓ تکبیر افتتاح کے
لا یرفع یدیه فی شیٔ من — سوا کسی اور موقع پر رفعِ یدین نہیں
الصلوٰۃ الا فی الافتتاح (۵) — کرتے تھے۔

(۱) طحاوی: ۱۳۲۔ ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۶۔ بیہقی عن عاصم بن کلیب، موطا امام محمد: ۹۲۔
(۲) الجوہر النقی ۲/۷۸۔ (۳) طحاوی، بیہقی، ابن ابی شیبہ عن مجاہد ۱/۲۳۷۔
(۴) موطا امام محمد: ۹۳۔
(۵) موطا امام محمد: ۹۴۔ مصنف عبدالرزاق ۲/۷۱۔ طحاوی: ۱/۱۳۳۔ ابن ابی شیبہ عن ابراہیم ۱/۲۳۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ اثر سند کے لحاظ سے قوی ہے لیکن ابراہیم نخعی کی ابن مسعودؓ سے ملاقات ثابت نہیں، امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ اعمش نے خود ابراہیمؒ سے نقل کیا ہے کہ جب میں حضرت عبداللہ سے براہ راست روایت کروں تو سمجھ لو کہ ایک جماعت نے مجھ سے یہ روایت نقل کی ہوگی۔ اس لئے یہ مرسل روایت ضعیف نہیں ہے بلکہ سند متصل سے بھی زیادہ قوی ہے (۱)

۵۔ كان اصحاب عبد الله واصحاب علي لا يرفعون ايديهم الا في افتتاح الصلوٰة قال وكيع ثم لا يعودون (۲)	حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے اصحاب آغاز نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، وکیع کہتے ہیں کہ ایک بار کے بعد دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

علامہ ترکمانی نے..... اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صرف آغاز نماز میں رفع یدین سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک جو اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ خود امام ابو حنیفہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے:

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة والاسود عن عبد الله بن مسعود الخ	امام ابو حنیفہؒ حماد سے وہ ابراہیم نخعی سے، وہ علقمہ اور اسود سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ....

ابن ابی شیبہ نے بھی "حماد" سے اسی سند سے اس روایت کو نقل کیا

(۱) شرح معانی الآثار ۱/۱۳۲۔
(۲) ابن ابی شیبہ عن ابی اسحاق ۱/۲۳۶۔
(۳) التعلیق الحسن ۱/۱۰۹۔

ہے، یہ سند سلسلۃ الذہب کی حیثیت رکھتی ہے جس کے تمام رواۃ ائمہ فن اور اساتذہ وقت رہے ہیں۔

صحابہؓ میں ابن مسعودؓ کا مقام

بعض لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس مسئلہ میں بھول ہوئی ہے اور اس کو ثابت کرنے کیلئے ان کے سہو کی ایک فہرست بھی تیار کرنے کی سعی کی ہے، حالانکہ نماز جیسے مسئلہ میں جو دن بھر میں کم از کم پانچ بار پڑھی جاتی ہے اور بلا ناغہ روزانہ پڑھی جاتی ہے اس طرح کی بھول بالکل قرین قیاس نہیں ہے جن مسائل میں حضرت عبداللہ کا سہو نقل کیا جاتا ہے وہ سہو نہیں ہے بلکہ اجتہادی اختلاف ہے اور علامہ ترکمانی نے "الجوہر النقی" میں اور علامہ نیمویؒ نے "آثار السنن" میں اس پر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح کے تفردات دوسرے صحابہؓ کے یہاں بھی موجود ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے خود حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارہ تفردات نقل کئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے رفع یدین کی حدیث مروی ہے ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز جنازہ اور عیدین کے لئے بھی اذان دلایا کرتے تھے۔ اگر اس طرح کی باتوں کو بنیاد بنا کر کسی روایت کو رد کیا جائے تو پھر کسی حدیث پر اعتماد کرنا مشکل ہوجائے گا۔

افسوس کہ بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق وہ لب ولہجہ اختیار کیا ہے جو کسی صحابی کی شان کے خلاف ہے، مجھے یہ لکھنے میں کوئی تأمل نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے سوء آخرت کا اندیشہ ہے اور یہ سخت محرومی اور خسران کی بات ہے، صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بجائے خود اتنا بڑا شرف ہے کہ ہر مسلمان کے دل کو ان کے بارے میں بے کدورت اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

زبان کو محتاط کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر صحابہؓ میں ابن مسعودؓ کا خاص مقام ہے ——— وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر قریب تھے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ میں نے ابتدا میں سمجھا کہ وہ بھی خانوادۂ رسالت ہی کے ایک رکن ہیں (۱)۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: قرآن کو چار آدمیوں سے حاصل کرو اور پھر پہلے نمبر پر حضرت ابن مسعودؓ کا نام لیا (۲)۔ ابن مسعودؓ وہ صحابی تھے کہ آپؐ کے نعلِ مبارک، مسواک، تکیہ وغیرہ آپؓ ہی کے پاس رہتا تھا (۳)۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ابنِ مسعودؓ جو کچھ کہیں اس کی تصدیق کرو (۴)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابن مسعودؓ جس طرح پڑھائیں اسی طرح پڑھو (۵)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپؓ کو کوفہ بھیجا تو خط لکھا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کو بھیج کر میں ایثار سے کام لے رہا ہوں۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو امیر بناتا تو ابن مسعودؓ کو بناتا (۶)۔ خود آپؐ نے فرمایا کہ ابن مسعودؓ نے میری امت کے لئے جس بات کو پسند کیا اس کو میں نے بھی پسند کیا اور جسے ناپسند کیا اسے میں نے ناپسند کیا، وہ چھٹے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے (۷)۔ حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے کہ چال ڈھال میں لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ

(۱) مسلم عن ابی موسیٰ ۲/۲۹۲۔ (۲) بخاری ۱/۵۳۱ ومسلم ۲/۲۹۲ عن عبداللہ بن عمرو۔
(۳) بخاری عن علقمہ ۱/۵۳۱۔ (۴) ترمذی عن حذیفہ ۲/۲۲۱۔
(۵) حوالہ سابق۔ (۶) ابن ماجہ ۱/۱۳ وترمذی ۲/۲۲۱ عن علی۔
(۷) الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۰۵۔

عبداللہ بن مسعودؓ ہیں (۱)

ایسے صحابی کے بارے میں جن لوگوں کا لب ولہجہ ناشائستہ ہو ان کو خود اپنی آخرت کی خیر منانی چاہئے۔ والی اللہ المشتکی۔

رفعِ یدین ——— احادیث کی روشنی میں

جو لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفعِ یدین کے قائل ہیں وہ درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ ان رسول اللہ کان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مونڈھوں
یرفع یدیہ حذو منکبیہ	تک ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز
اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر	شروع کرتے، جب رکوع کے لئے
للرکوع واذا رفع رأسہ	اللہ اکبر کہتے، جب رکوع سے سر
من الرکوع رفعھا کذلک	اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا
وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا	لک الحمد" کہتے، سجدہ میں ایسا نہیں
لک الحمد وکان لایفعل ذلک فی السجود (۲)	کرتے۔
۲۔ کان رسول اللہ اذا کبر	آپؐ جب تکبیر کہتے تو کانوں
رفع یدیہ حتی یحاذی بھما	تک ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع
اذنیہ واذا رفع راسہٗ من	سے سر اٹھاتے تو "سمع اللہ لمن حمدہ"
الرکوع فقال سمع اللہ لمن	کہتے اور اس موقع سے بھی ایسا ہی
حمدہ فعل مثل ذلک (۳)	کرتے۔

(۱) بخاری عن حذیفہ ۱/۵۳۱۔ (۲) بخاری ۱/۱۰۲ ومسلم عن ابن عمر ۱/۱۶۸۔
(۳) بخاری ۱/۱۰۲ ومسلم عن مالک بن حویرث ۱/۱۶۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ عن وائل بن حجر	حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ
انہ رأی النبیؐ رفع یدیہ	انہوں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپ نماز میں
اذا دخل فی الصّلوٰۃ کبّرثم	جاتے ہوئے اللہ اکبر کہتے اور رفع
التحف بثوبہ ثم وضع یدہٗ	یدین کرتے، پھر کپڑے میں لپٹ جاتے
الیمنیٰ علیٰ یدہٖ الیسریٰ	پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھ لیتے
فلما اراد ان یرکع اخرج	پھر جب رکوع کرنا چاہتے تو اپنے
یدیہ من الثوب ثم	ہاتھ کپڑوں سے نکال لیتے اور دونوں
رفعھما وکبر فرکع فلما قال	ہاتھ اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے
سَمع اللّٰہُ لمن حمدہٗ	رکوع میں جاتے، پھر جب سمع اللہ
رفع یدیہ فلما سجد سجد	لمن حمدہٗ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے
بین کفیہ (۱)	اور سجدہ کرنا ہوتا تو دونوں ہاتھوں کے
	درمیان کرتے۔

✣ ✣ ✣

یہ حدیثیں صرف اس بات کو بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفعِ یدین کیا کرتے تھے۔ اس سے سبھوں کو اتفاق ہے کہ ابتداءِ اسلام میں حضورؐ ایک سے زیادہ مواقع پر رفع یدین کیا کرتے تھے، اختلاف اس بات میں ہے کہ حضورؐ کا آخری عمل کیا تھا؟ کیا اخیر تک آپؐ کا یہی عمل رہا، یا اخیر زندگی میں آپؐ کا معمول صرف آغاز نماز ہی میں رفع یدین کا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث بیہقی نے اس اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے،

فما زالت تلک صلوٰتہ	وفات تک آپؐ کی نماز اسی طرح
حتی لقی اللّٰہ۔ (۲)	ہوتی تھی۔

(۱) مسلم ۱/۱۷۳۔ (۲) سننِ بیہقی ۲/۲۳۔

ل
ب
سلم
میں
بات
اخیر
ع

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا، اگر یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہوتی تو شاید اس باب میں "حجتِ قاطعہ" ہوتی، مگر افسوس کہ یہ روایت فنی اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ بیہقی نے اس روایت کو دو سندوں سے نقل کیا ہے۔ ایک سند میں "عصمت بن محمد انصاریؒ" ہیں، جن کو ابوحاتم نے ضعیف اور یحییٰ بن معین نے کذاب اور واضعِ حدیث قرار دیا ہے اور عقیلی نے لکھا ہے کہ یہ شخص ثقہ آدمیوں کے حوالے سے جھوٹی باتیں نقل کرتا ہے یحدث بالبواطل عن الثقات۔ دوسری سند میں عبدالرحمٰن بن قریش ہروی ہیں، حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ سلیمان نے ان کو واضعِ حدیث قرار دیا ہے۔ اس لئے بجا طور پر خاتم المحدثین علامہ ظہیرالدین احسن نیمویؒ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے ھو حدیث ضعیف بل موضوع (۱)

"رفع یدین" کے ثبوت کے لئے یہی حدیثیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اس کے علاوہ بھی بعض احادیث و آثار ہیں مگر وہ ضعف اور سقم سے خالی نہیں ہیں۔ جو لوگ رفعِ یدین کے قائل ہیں ان کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اس کو اسماعیل بن عیاش نے صالح بن کیسان سے نقل کیا ہے (۲) صالح شامی نہیں ہیں اور محدثین کے نزدیک اسماعیل کی روایت غیر شامیوں سے درست نہیں ہے۔ اس حدیث کی ایک اور سند میں یحییٰ بن ایوب ہیں جو ضعیف ہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے، اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ہیں جن کو امام احمدؒ، امام ترمذیؒ اور

(۱) آثار السنن ۱/۱۰۱۔

(۲) ابن ماجہ : ۶۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

؍خزیمہ جیسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، ابن عباسؓ سے ابن ماجہ نے
؍کے حق میں روایت نقل کی ہے لیکن ابن ماجہ کی سند میں عمر بن رباح
؍(۱) جن کو امام نسائی اور دار قطنی نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔ ابوداؤد کی
؍ایت میں عبداللہ بن لعیہ ہیں، جن کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (۲)
؍ضرت انسؓ سے دار قطنی نے رفع یدین پر رسول اللہ کا معمول نقل کیا ہے
؍بن امام طحاویؒ نے لکھا ہے کہ تمام رواۃ اس کو خود حضرت انس کا عمل
؍رار دیتے ہیں۔ صرف عبدالوہاب ثقفی نے اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک
؍ہونچایا ہے (۳) خود دار قطنی کو بھی اعتراف ہے کہ یہ حضرت انس کا اپنا
؍مل ہے۔ الصواب من فعل انسؓ (۴)

افتتاح نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر جن حضرات سے رفعِ یدین کی روایتیں منقول ہیں ان میں تین اہم راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت مالک بن حویرثؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ ہیں۔ ان حضرات کی روایتوں میں کتنا تعارض اور اضطراب ہے اس کا اندازہ نیچے درج کیے ہوئے نقشے سے ہوگا۔ راقم الحروف نے ازراہِ اختصار حدیث کے الفاظ کے بجائے رفعِ یدین کے مواقع اور کتابوں کے حوالجات درج کرنے پر اکتفا کیا ہے:-

---

(۱) ابن ماجہ ص: ۶۲۔

(۲) ابوداؤد ۱/۱۰۸۔

(۳) طحاوی ۱/۱۳۴۔

(۴) دار قطنی ۱/۲۹۰۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ

۱۔ صرف نماز کے آغاز میں (۱)

واضح ہو کہ یہ قولی حدیث ہے اور قولی حدیث کی اہمیت فعلی حدیث سے زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ آغازِ نماز، رکوع کے بعد (۲)

۳۔ آغاز نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد (۳)

۴۔ آغاز نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، دوسری رکعت کے بعد (۴)

۵۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، سجدہ سے پہلے (۵)

۶۔ رکوع سے پہلے، سجدہ سے پہلے (۶)

۷۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، سجدہ سے پہلے، دو رکعتوں کے درمیان (۷)

۸۔ ہمیشہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جاتے ہوئے (۸)

---

(۱) المدونۃ ۱/۷۱۔ مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی ۲/۱۰۲۔

(۲) مؤطا امام مالک ۲۵۔ مؤطا امام محمد ۷۹۔ سنن بیہقی ۲/۶۹۔

(۳) بخاری ۱/۱۰۲۔ مسلم ۱/۱۶۸۔ ابوداؤد ۱/۱۰۴۔ ترمذی ۱/۵۹، نسائی ۱/۱۴۰۔
ابن ماجہ ۶۱۔ ابن حبان ۲/۲۵۳۔ طحاوی ۱/۱۳۱۔

(۴) بخاری ۱/۱۰۳۔ مصنف عبدالرزاق ۲/۶۸۔ بیہقی ۲/۷۰۔ المحلی ۴/۹۰۔

(۵) ابوداؤد ۱/۱۰۸۔ (۶) مجمع الزوائد ۲/۱۰۲۔

(۷) المحلی ۴/۹۳۔ (۸) مشکل الآثار

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت مالکؓ ابن حویرثؓ

۱۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد (۱)
۲۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، سجدہ کے بعد (۲)
۳۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، دوسجدوں کے درمیان (۳)
۴۔ رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، دوسجدوں کے درمیان (۴)
۵۔ رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، دورکعتوں کے درمیان کھڑے ہوتے ہوئے (۵)
۶۔ رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد (۶)

حضرت وائل بن حجرؓ

۱۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد (۷)
۲۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، سجدہ سے پہلے (۸)
۳۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، سجدہ سے پہلے (۹)

---

(۱) بخاری ۱/۱۰۲۔ مسلم ۱/۱۶۸۔ طحاوی ۱/۱۲۱۔
(۲) مسند احمد (الفتح الربانی ۳/۱۶۷) (۳) ابن ماجہ ۶۱۔
(۴) المحلیٰ ۴/۹۲۔ (۵) ابن ماجہ ۱/۶۱، طحاوی ۱/۱۳۱، بیہقی ۲/۲۷۔
(۶) طحاوی ۱/۱۳۲
(۷) ابن ماجہ ۱/۶۱۔ نسائی ۱/۱۴۱۔
(۸) ابوداؤد ۱/۱۰۵۔ (۹) دارقطنی ۱/۲۹۱۔

۴۔ آغازِ نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد، دوسجدوں کے درمیان (۱)
۵۔ ہرتکبیر کے ساتھ۔ (۲)

ان روایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن حضرات کی روایات پر رفعِ یدین کا انحصار ہے ان روایتوں میں کس درجہ اختلاف پایا جاتا ہے؟ اور ۴ رکعت کی نماز میں ایک رفعِ یدین سے لے کر (۲۶) تک رفعِ یدین ثابت ہے —— اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کی روایت رفعِ یدین کے قائلین کے لئے اصل اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہے، خود ان کا عمل صرف ابتداءِ نماز میں رفعِ یدین کا تھا، جیسا کہ امام مجاہد کی روایت سے ظاہر ہے اور اس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور راوی جب خود اپنی روایت پر عامل نہ ہو تو ضرور ہے کہ اس روایت میں کوئی سقم موجود ہوگا جس پر عام لوگ واقف نہ ہو پاتے ہوں۔ نیز رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفعِ یدین کی جو روایتیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہیں وہ آپؐ کا فعل ہے اور جو روایت صرف آغازِ نماز سے متعلق ہے وہ حدیث قولی ہے اور حدیث قولی کو حدیث فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔

ترجیح و توسّع

یہ ساری بحث تو ان احادیث و آثار کی صحت اور ضعف اور اس کے معتبر ہونے اور نہ ہونے سے متعلق ہے اور اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دونوں ہی نقطۂ نظر کے لئے حدیثیں موجود ہیں، سب سے

---

(۱) طحاوی ۱/۱۳۲۔
(۲) ابوداؤد ۱/۱۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اہم بات یہ ہے کہ عہد صحابہؓ ہی سے رفع یدین کا کرنا اور نہ کرنا مسلمانوں کی ایک قابلِ لحاظ جماعت کا معمول رہا ہے۔ فقہ حنفی کی بنیاد عام طور پر ان صحابہ کی احادیث اور معمولات پر ہیں جو کوفہ میں قیام پذیر ہوگئے تھے چنانچہ گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب رفعِ یدین نہیں کیا کرتے تھے۔ کوفہ عہد فاروقی سے صحابہ کا کیسا مرکز و مرجع بن گیا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ علامہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ کوفہ کے صرف ایک قریہ "قرقیسہ" میں چھ سو صحابہ مقیم ہوگئے تھے، بعض علماء تاریخ کے بیان کے مطابق کوفہ میں مقیم ہونے والے صحابہ کی تعداد پندرہ سو تھی (۱)

امام مالکؒ اپنے مسلک میں اہلِ مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت دیتے ہیں اور ظاہر ہے مدینہ میں صحابہ کی ایک قابلِ لحاظ تعداد موجود تھی، اس لئے رفعِ یدین نہ کرنا یقیناً مدینہ اور کوفہ میں عہدِ صحابہ سے متواتراً ہوتا آیا ہوگا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آیا کہ میں نے حضرت ابوبکر و عمرؓ کو رفعِ یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اسی طرح مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا معمول رفعِ یدین کا تھا اور غالباً عبداللہ ابن زبیرؓ ہی سے مکہ میں اس کا زیادہ تعامل ہوا، کیوں کہ بات آچکی ہے کہ ابتداءً آپؓ کے اس عمل پر لوگوں کو حیرت ہوئی یہاں تک کہ لوگوں نے تحقیق کے لئے عبداللہ ابن عباسؓ سے رجوع کیا۔ اور یہی تعامل امام شافعی اور امام احمدؒ کے مسلک کی بنیاد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بظاہر ان متعارض روایات کے درمیان کس

---

(۱) فیض الباری ۲/۲۵۶۔

طرح مطابقت پیدا کی جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سنتِ رسولؐ میں توسع مان لیا جائے کہ کبھی رفع یدین کرتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے اس لئے دونوں صورتیں درست ہیں۔ اور ادا رِ سنت کے لئے کافی ہیں۔ نہ رفعِ یدین کرنے والوں کو تارکِ سنت سمجھا جائے اور نہ رفعِ یدین نہ کرنے والوں کو۔ البتہ مختلف وجوہ ہیں جن کا تقاضا ہے کہ رفعِ یدین نہ کرنے کی سنت زیادہ افضل و اولیٰ ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے سوا "رفعِ یدین" کے اکثر راویوں سے رفعِ یدین کا ترک کرنا بھی ثابت ہے۔ خود حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جن کی حدیث رفعِ یدین کے بارے میں سب سے قوی سمجھی گئی ہے اور جس کی امام بخاریؒ نے تخریج کی ہے انہیں سے امام طحاویؒ نے نہایت قوی سند سے "رفعِ یدین نہ کرنا ذکر کیا ہے۔

حدثنا ابن ابی داؤد قال	ابن ابی داؤد نے احمد بن یونس سے،
حدثنا احمد بن یونس قال	احمد نے ابوبکر بن عیاش سے، انہوں
حدثنا ابوبکر بن عیاش عن	نے حصین سے اور حصین نے مجاہد سے
حصین عن مجاهد قال صليت	نقل کیا ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے
خلف ابن عمر لم یکن یرفع یدیه	نماز ادا کی مگر وہ سوائے تکبیر اولیٰ
الا فی التکبیرة الاولیٰ من الصلوٰة۔ (۱)	کے رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔

اس سند کے تمام راوی قوی ہیں۔ ابوبکر بن عیاش پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے مگر ان کی ثقاہت اور استناد کے لئے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاریؒ نے ان سے روایت کیا ہے۔ خود حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب

---

(۱) شرح معانی الآثار ۱/۱۳۲ عن مجاہد۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

التہذیب" میں اعتراف کیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں، البتہ بوڑھاپے میں ان کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق اصول یہ ہے کہ ان کے ابتدائی شاگردوں کی روایت قبول کی جائے گی۔ احمد بن یونس، ابوبکر بن عیاش کے ایسے ہی تلامذہ میں ہیں۔ چنانچہ خود امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں احمد بن یونس کے واسطے سے ان کی روایت قبول کی ہے۔ پھر امام مجاہد کے علاوہ امام محمدؒ نے اپنی مؤطا میں ابن عمرؓ کے ایک شاگرد عبدالعزیز بن حکیم سے بھی حضرت عبداللہؓ کا رفعِ یدین نہ کرنا نقل کیا ہے۔

پس ایک صحابی کا رفعِ یدین کی روایت نقل کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ رفعِ یدین نہ کرنے کو ترجیح حاصل ہے۔

۲۔ رفعِ یدین نہ کرنا قرآنِ مجید کے احکام اور نماز کی کیفیت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے نماز کی کیفیت میں خشوع کو خاص اہمیت دی ہے۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (مؤمنون ۲)
دل کا خشوع دل میں گریہ کی کیفیت اور توجہ الی اللہ ہے، آواز کا خشوع یہ ہے کہ آواز پست رہے، عمل کا خشوع یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ سکون ہو اور کم سے کم حرکت۔ رفعِ یدین نہ کرنے میں حرکت کم ہے اس لئے یہ صورت زیادہ بہتر ہوگی۔

۳۔ علامہ باجی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ دراصل تکبیراتِ انتقال ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کے لئے ہے۔ پس چونکہ ابتدار نماز میں ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف انتقال کا مفہوم نہیں پایا جاتا اس لئے اس کے ساتھ رفعِ یدین بھی کر دیا گیا۔ دوسرے ارکان میں چونکہ انتقال کی کیفیت موجود ہے اس لئے رفعِ یدین کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

۴۔ امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ تکبیر افتتاح کے وقت رفعِ یدین ہے اور سجدوں کے درمیان تکبیر کے ساتھ رفعِ یدین نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ رکوع والی تکبیر کو ان دونوں میں سے کس کے مماثل سمجھا جائے، اگر تکبیر افتتاح کے، تو رفعِ یدین ہونا چاہئے اور اگر سجدہ والی تکبیر کے تو رفعِ یدین نہیں ہونا چاہئے۔ غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکبیر سجدہ والی تکبیر کے مماثل ہے۔ اس لئے کہ جیسے سجدوں کے درمیان تکبیر مسنون ہے واجب نہیں، یہی حال اس تکبیر کا بھی ہے، جب کہ تکبیرِ افتتاح فرض ہے۔ لہٰذا جیسے سجدہ والی تکبیروں میں رفعِ یدین نہیں ہے اسی طرح رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی تکبیر نہیں ہونی چاہئے۔

۵۔ رفعِ یدین کے ثبوت میں جو حدیثیں ہیں وہ فعلی ہیں اور سات مواقع پر رفعِ یدین کرنے سے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو روایت ذکر کی گئی ہے جس میں صرف آغازِ نماز میں رفعِ یدین کا ذکر ہے وہ "قولی" ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں دو قسم کی روایتیں متعارض ہوں وہاں قولی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے ——— یہ قولی حدیث اس لئے بھی قابلِ ترجیح ہے کہ آپؐ کے فعل و عمل کی بابت روایات میں تعارض ہے۔ جبکہ قولی روایت صرف رفعِ یدین نہ کرنے کو بتاتی ہے، اس میں تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے۔

۶۔ جن صحابہؓ سے رفعِ یدین کرنا ثابت ہے ان سے رفعِ یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے اور حضرت ابن مسعودؓ سے رفعِ یدین نہ کرنا تو ثابت ہے رفعِ یدین کرنا ثابت نہیں۔

۷۔ جن حضرات صحابہؓ سے رفعِ یدین کرنا ثابت ہے وہ کم عمر صحابہ ہیں جن کو آپؐ کی صحبت کم ملی اور جو اپنی کم سنی کی وجہ سے پیچھے کی صفوں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کھڑے ہوتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ، اور حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اکابر و فقہاء صحابہ میں ہیں اور بارگاہِ رسالت کے ہر وقت کے حاضر باش لوگوں میں ہیں، اس لئے ان حضرات کی روایت زیادہ قابلِ ترجیح ہوگی۔

٨۔ امام ابوحنیفہؒ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت نقل کی گئی ہے اس سند میں حماد، ابراہیم، علقمہ، اور ابن مسعودؓ جیسے فقیہ و فہیم راوی ہیں جو حدیث کے فہم اور اس سے احکام کے اخذ و استنباط میں اپنے معاصرین پر تفوق رکھتے تھے۔ اس لئے یہ روایت راجح ہوگی، امام اوزاعیؒ رفعِ یدین کے قائل تھے اور ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے تھے لیکن جب امام ابوحنیفہؒ نے ابن مسعودؓ کی روایت سے استدلال کیا اور وجہ ترجیح یہ بیان کی کہ اس حدیث کے راوی زیادہ ثقہ ہیں تو امام اوزاعی بھی اس سے اختلاف نہ کر سکے (١)

احناف کے مسلک کی وضاحت

یہاں اس بات کی وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ رفعِ یدین احناف کے یہاں گناہ یا مفسدِ نماز یا مکروہ نہیں ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے جو چوتھی صدی ہجری کے فقہاء میں ہیں اور امام کرخیؒ کے اساتذہ میں ہیں، "کتب علیکم الصیام" کے ذیل میں رفعِ یدین کو جائز قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔ علامہ کشمیریؒ اس قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(١) اوجز المسالک ٦/٢٠٩۔

ثم
بالجوا
قد صر
قوله
ان الم
الاحـ
نـالـ
فى الا
كثيـ
فى الا
والـ
الـ
(١)
(٢)

ثم تتبعت الكتب للتصريح بالجواز فوجدت ابا بكر الجصاص قد صرح فى احكام القرآن تحت قوله تعالىٰ "كتب عليكم الصيام" ان المسألة اذا وردت فيها الاحاديث الصحاح من الجانبين فالخلاف فيها لا يكون الا فى الاختيار سيما اذا كانت كثيرة الوقوع وعد منها الترجيع فى الاذان وافراد الاقامة والجهر بالتسمية ورفع اليدين (١)

میں نے جواز کی صراحت معلوم کرنے کے لئے کتابوں میں جستجو کی تو دیکھا کہ ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں کتب علیکم الصیام کے تحت صراحت کردی ہے کہ مسئلہ میں جب دونوں پہلوؤں پر صحیح حدیثیں موجود ہیں بالخصوص اگر وہ کثیر الوقوع مسائل میں ہوں تو اختلاف صرف افضلیت میں ہوگا پھر امام رازی نے ایسے ہی مسائل میں ترجیع اقامت میں اکہرے کلمات بسم اللہ میں جہر اور رفعِ یدین کو شمار کیا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ورفع يديه عند الركوع والرفع منه وما روى عن الفساد فشاذ. (٢)

رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفعِ یدین سے نماز کا فاسد ہو جانا جو نقل کیا گیا ہے وہ شاذ ہے یعنی مشہور روایت کے خلاف ہے۔

غایۃ الاوطار میں لکھا گیا ہے:

" رفعِ یدین کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور فساد کی روایت خلافِ

(١) فیض الباری ٢/٢٥٨-٢٥٩۔

(٢) رد المحتار ١/٤٥٩۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

درایت و روایت ہے"(۱)

کیا رفعِ یدین والی احادیث منسوخ ہیں؟

ان متعارض احادیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ رفع یدین کرنے اور نہ کرنے میں سے ایک سنت کو حضورؐ کا ابتدائی عمل تصور کیا جائے اور اسے منسوخ مانا جائے اور دوسرے کو حضورؐ کا آخری عمل اور ناسخ۔ اب سوال یہ ہے کہ کس حدیث کو ناسخ اور کس کو منسوخ سمجھا جائے؟ تو مختلف قرائن ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے والی روایت ناسخ ہے اور رفع یدین والی روایتیں منسوخ۔

۱۔ مسلم میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ گھوڑوں کے دم کی طرح ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو؟ —— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ سے پہلے رفع یدین کا حکم تھا اس لئے لوگ رفع یدین کیا کرتے تھے مگر پھر بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا، اس لئے آپؐ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔

۲۔ ان ابن زبیرؓ رأی رجلاً یرفع عند الرکوع وعند رفع رأسه عنه، فنهاه عن ذلك وقال هذا رفعه رسول الله صلى الله عليه وسلم	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفعِ یدین کرتے دیکھا تو اس سے منع کیا اور فرمایا: یہ ایسا عمل ہے جس کو حضورؐ نے کیا تھا،

(۱) غایة الاوطار ج ۱ ص: ۲۹۲۔

ثم ترکه (۱)	مگر بعد کو ترک کر دیا تھا۔

۳۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے صحابہ جو اخیر تک حضورؐ کی خدمت میں رہے ہیں، کا معمول رفعِ یدین نہیں کرنے کا تھا۔

۴۔ ابتداءِ اسلام میں نماز میں نسبتاً حرکت کی زیادہ اجازت تھی سلام کی اور چلنے کی ممانعت نہیں تھی۔ رفعِ یدین بھی ایک طرح کی حرکت ہے۔ ممکن ہے ابتدائی دور میں دوسرے افعال کی طرح اس کی بھی اجازت رہی ہو، بعد کو جب نماز میں اس طرح کی حرکتوں کی ممانعت کر دی گئی تو رفعِ یدین کا طریقہ بھی آغازِ نماز کے وقت کے سوا باقی نہ رہا۔

محققینِ احناف کا نقطۂ نظر:

انہیں وجوہ اور اسی قسم کے بعض دوسرے قرائن کی وجہ سے علامہ ابن ہمامؒ، امام طحاویؒ اور متاخرین میں علامہ نیمویؒ اور مولانا زکریا صاحبؒ جیسے اہلِ علم کا خیال ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفعِ یدین والی روایات منسوخ ہیں اور واقعہ ہے کہ اوپر اس کے لئے جو وجوہ ذکر کئے گئے ہیں ان کو سامنے رکھئے تو ان کی رائے بیجا نہیں۔ البتہ حضورؐ کا منسوخ ہونا یقینی نہیں، گمان کے درجہ میں ہے اس لئے اس عمل کو غیر مشروع نہیں کہا جا سکتا اور جو لوگ (شوافع و حنابلہ رحمہم اللہ) رفع یدینؐ کو راجح خیال کرتے ہوں، ان کا عمل بھی درست ہے اور انشاء اللہ وہ اسی پر اجر کے حقدار ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ رفعِ یدین کے بارے میں احادیث مختلف ہیں ایسی احادیث بھی ہیں جن میں صرف آغازِ نماز میں رفعِ یدین کا ذکر ہے۔

(۱) اوجز المسالک ۶/۲۰۶ بحوالہ تیسیر الباری عن النہایہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور ایسی روایات بھی ہیں جن کے مطابق ہر رکعت میں چھ یا سات دفعہ رفعِ یدین ثابت ہوتا ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ صرف افتتاحِ نماز کے وقت رفعِ یدین کے قائل ہیں۔ شوافع اور حنابلہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفعِ یدین کے قائل ہیں اور ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین دوسری رکعت سے اٹھتے ہوئے بھی رفعِ یدین کے قائل ہیں۔ گویا فی الجملہ ان چار مواقع پر رفعِ یدین پر عمل ہے۔ افتتاحِ نماز کے وقت رفعِ یدین پر اتفاق ہے اور باقی تین صورتوں کے بارے میں اختلاف ہے۔

ان چار مواقع کو چھوڑ کر جن جن مواقع پر رفعِ یدین کا ذکر احادیثِ شریفہ میں موجود ہیں ان کو ذیل کے نقشہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تمام روایات حضور ﷺ کے عملِ مبارک سے متعلق ہیں۔ ازراہِ اختصار راوی کے نام اور حوالہ کے اندراج پر اکتفا کیا جاتا ہے:

سجدہ سے پہلے

حضرت ابوہریرہؓ	ابن ماجہ: ۶۱
حضرت وائل ابن حجرؓ	ابوداؤد ۱/۱۰۵۔ دارقطنی ۱/۲۹۱۔
حضرت عبداللہ ابن عمرؓ	مجمع الزوائد ۲/۱۰۲ (علامہ ہیثمی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے) المحلی ۴/۹۳
حضرت انسؓ	مجمع الزوائد ۲/۱۰۱۔ (علامہ ہیثمی نے اس کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔) دارقطنی ۱/۲۹۰۔
حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ	ابوداؤد ۱/۱۰۸۔ مسند امام احمد دالفتح الربانی ۳/۱۶۷

دو سجدوں کے درمیان

حضرت مالک ابن حویرثؓ	المحلی ۴/۹۲۔

سجدہ کے بعد

حضرت مالک ابن حویرثؓ	مسند امام احمد (الفتح الربانی ۳/۱۶۷)

دوسرے سجدہ کے بعد

حضرت ابوحمید ساعدیؓ	ابن ماجہ: ۶۱
حضرت علیؓ	طحاوی ۱/۱۳۱۔ دارقطنی ۱/۲۷۸، ابوداؤد ۱/۱۰۹۔ مسند امام احمد (الفتح الربانی ۳/۱۶۵)
حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ	مسند امام احمد (الفتح الربانی ۳/۱۶۷) اس روایت میں قیام کیلئے اٹھتے ہوئے بھی رفعِ یدین کا ذکر ہے۔ (حین ینہض للقیام۔)

ہر تکبیر کے ساتھ

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ	ابن ماجہ: ۶۱۔
حضرت وائل بن حجرؓ	ابوداؤد ۱/۱۰۵۔
حضرت جابر بن عبداللہؓ	مجمع الزوائد ۲/۱۰۱۔
حضرت انسؓ	" " ۲/۱۰۲
حضرت عمیر ابن حبیبؓ	ابن ماجہ: ۶۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہمیشہ بلندی سے پستی اور پستی سے بلندی کی طرف جاتے ہوئے

حضرت عمیر ابن حبیب رض — ابنِ ماجہ : ۶۱

اَب فی الجملہ اس قدر تو دونوں جماعتوں کے درمیان تسلیم شدہ ہے کہ آغاز اسلام میں رفعِ یدین کی متعدد صورتیں تھیں جن سے بعض کی تنسیخ عمل میں آچکی ہے۔ یہی اس بات کا قرینہ ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفعِ یدین کی صورتیں ابتدار میں تھیں جو بعد کو منسوخ ہوگئیں۔

نمازِ تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں

"نمازِ تراویح" کے مسنون ہونے پر علمار کا اتفاق ہے، البتہ رکعات کی تعداد میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ (۱)، امام احمدؒ (۲) اور امام ترمذیؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر سلف صالحین کے نزدیک تراویح کی رکعات بیس ۲۰ ہیں (۳)، امام مالکؒ سے مختلف اقوال منسوب ہیں، مشہور قول ۳۶ رکعت کا ہے (۴) لیکن اصل میں ان کے نزدیک بھی تراویح ۲۰ رکعت ہی ہے، ہر چار رکعت تراویح پر ترویحہ میں مزید چار رکعت نفل کا معمول مدینہ میں تھا، اس لئے ۱۶ رکعتوں کے اضافہ کے ساتھ ۳۶ رکعتیں ہوگئیں، اس کے علاوہ حرمین شریفین میں آج تک بیس رکعات کا معمول ہے اور یہی معمول حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ خلفارِ ثلاثہ حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں رہا ہے (۵)

تراویح کی رکعات کی تعیین میں اہلِ علم کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا

---

(۱) شرحِ مہذب ۳۲/۴۔
(۲) المغنی : ۴۵۶/۱۔
(۳) ترمذی ۱۹۶/۱، باب ماجار فی قیام شہر رمضان۔
(۴) المدونۃ الکبریٰ ۱۹۲/۱۔ زرقانی علی المؤطا ۲۳۹/۱۔
(۵) آثارالسنن ۵۲/۲ ـ ۵۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہمیشہ تراویح کی جماعت کا نہیں رہا، چند دنوں آپؐ نے جماعت کا اہتمام کیا پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں واجب نہ ہو جائے جماعت کا سلسلہ ختم کر دیا (۱) اس لئے نماز تراویح اور اس کی رکعات سے متعلق احادیث کم ہیں بلکہ اکابر صحابہؓ سے اس بارے میں حضورؐ کا کوئی معمول منقول نہیں ہے، صحیح روایت صرف حضرت سائب بن یزیدؓ کی ہے جن کی عمر حضورؐ کے وصال کے وقت سات آٹھ سال سے زیادہ... نہ تھی، اس لئے جماعت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد تنہا نماز پڑھتے ہوئے حضورؐ کا معمول کیا تھا؟ اس سلسلہ میں حدیثوں سے کوئی قطعی بات واضح نہیں ہوتی ہے۔ اس اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں تراویح کو بھی "قیامِ لیل" سے تعبیر کیا گیا ہے اور تہجد کو بھی، اس سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بیس۲۰ رکعات سے متعلق احادیث و آثار

جن روایات سے تراویح کی بیس رکعات معلوم ہوتی ہیں، وہ اس طرح ہیں:-

۱۔ ان رسول اللہ کان یصلی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں
فی رمضان عشرین رکعۃ	بیس۲۰ رکعت اور وتر کی نماز ادا
والوتر (۲)	فرماتے تھے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہیں جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے یہ روایت باعتبار سند کے

(۱) ترمذی ۱/۱۶۶، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۴۔ بیہقی ۲/۴۹۶ وطبرانی عن ابن عباسؓ۔

ضعیف ہے، البتہ مختلف صحابہ سے بیس رکعتیں تراویح پڑھنا ثابت ہے اور ثابت ہے کہ حضراتِ صحابہؓ سے ۲۰/ رکعات کا معمول ہے، چنانچہ:

۲۔ کان الناس یقومون	حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانہ میں
فی زمان عمر بن الخطاب	لوگ رمضان المبارک میں تیئس۲۳ رکعتیں
فی رمضان بثلاث وعشرین	(۲۰ر تراویح، ۳ر وتر) کا اہتمام
رکعۃ (۱)	کرتے تھے۔

یہ روایت صحیح سند سے ثابت ہے، البتہ مرسل ہے جو احناف، مالکیہ اور اکثر محدثین کے نزدیک حجت ہے۔

۳۔ ان عمر بن الخطاب امر	عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو حکم دیا
رجلا یصلی بھم عشرین	کہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح کی)
رکعۃ (۲)	نماز پڑھائیں۔

اس کی سند بھی قوی ہے البتہ روایت مرسل ہے۔

۴۔ کان ابی بن کعب یصلی	ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں لوگوں کو
بالناس فی رمضان بالمدینۃ	ماہِ رمضان میں ۲۰ر رکعت تراویح
عشرین رکعۃ ویوتر	اور تین رکعت وتر کی نماز پڑھاتے
بثلاث (۳)	تھے۔

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند بھی قوی ہے۔

۵۔ عن السائب بن یزید	سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے
قال کنا ننصرف من القیام	کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ

(۱) موطا امام مالک مع الزرقانی عن یزید بن رومان ۱/۲۳۹۔ بیہقی ۲/۴۹۶۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ عن یحیٰ بن سعید ۲/۳۹۳۔ (۳) ابن ابی شیبہ عن عبد العزیز بن رفیع ۲/۳۹۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

علیٰ عہد عمر و قد دنا فروع الفجر و کان القیام علیٰ عہد عمر ثلاثۃ و عشرین رکعۃ (۱)

میں قیام لیل سے فارغ ہوتے تو فجر کا وقت قریب ہوتا اور قیام لیل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیئس رکعت ہوتا تھا۔ (یعنی ۲۰ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر)

امام نوویؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

۶۔ عن الحسن قال کانوا یقرؤن بتسع وثلاثین او احدیٰ واربعین رکعۃ (۳)

حسنؒ سے روایت ہے کہ لوگ (تراویح) انتالیس یا اکتالیس رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی ۲۰ رکعت تراویح، ۱۶ رکعت نفل ۳ رکعت وتر اور دو رکعت نفل)

۷۔ عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلا یصلی بہ فی رمضان عشرین رکعۃ (۴)

حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھائیں۔

۸۔ ابو عبد الرحمان سلمی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں:

دعا القراء فی رمضان فامر منہم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ، قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بہم (۵)

حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائیں، ابو عبد الرحمان کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۲۶۱/۴، بیہقی ۴۹۶/۲۔
(۲) نصب الرایۃ ۱۵۴/۲۔
(۳) مصنف عبدالرزاق: ۲۶۱/۴۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۲/۲، بیہقی ۴۹۶/۲۔
(۵) سننِ بیہقی: ۴۹۶/۲۔

۹۔ کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ (۱)

سوید بن غفلہؒ رمضان کے مہینے میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھاتے تھے۔

تابعین اور تبعِ تابعین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ اور عہد تابعین کا عام معمول یہی تھا۔

۱۰۔ عن عطاء قال ادرکت الناس وہم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر (۲)

حضرت عطاءؒ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر کے ساتھ تیئس ۲۳ رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

۱۱۔ کان سعید بن جبیر یؤمنا فی شہر رمضان فکان یقرأ بالقراءتین جمیعاً، یقرأ لیلۃ بقراءۃ ابن مسعود فکان یصلی خمس ترویحات فاذا کان العشر الاواخر کان یصلی ست ترویحات (۳)

سعید بن جبیرؒ رمضان کے مہینے میں ہماری امامت کرتے تھے اور دو طرح کی قرأت کرتے، رات میں ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرارت کرتے اور پانچ ترویحے کی نماز (یعنی ۲۰ رکعت پڑھاتے) اور جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو چھ ترویحے کی نماز پڑھاتے۔

۱۲۔ عن ابی البختری انہ کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث (۴)

ابوالبختریؒ رمضان میں پانچ ترویحہ کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے اور پھر تین رکعت وتر۔

---

(۱) سننِ بیہقی عن ابی الخضیب، ۴۹۶/۲۔
(۲) ابن ابی شیبہ ۳۹۳/۲۔
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۳/۲۔
(۴) حوالۂ سابق۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ نیمویؒ نے ان روایتوں کی سند کو "حسن" کا درجہ دیا ہے۔

۱۳۔ کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة (۱)

ابن ابی ملیکہؒ ماہِ رمضان میں ہمیں بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے۔

۱۴۔ ان علی ابن ربیعه کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث (۲)

علی ابن ربیعہؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحہ کی نماز یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

اس کے علاوہ اور ضعیف روایات بھی ہیں۔

۱۵۔ عن داؤد ابن قیس قال ادرکت الناس بالمدینة فی زمن عمر بن عبد العزیز وابان ابن عثمان یصلون ستة وثلاثین رکعة ویوترون بثلاث (۳)

داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز اور ابان بن عثمان کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں لوگوں کو چھتیس رکعت تراویح اور پھر تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا۔

۱۶۔ شتیر بن شکر حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے ہیں، انکے بارے میں منقول ہے،

کان یؤمهم فی شهر رمضان بعشرین رکعة ویوتر بثلاث۔

رمضان کے مہینے میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے۔

بیہقی نے اس حدیث کو قوی قرار دیا ہے (۴)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ عن نافع عن ابن عمر: ۲/۳۹۳۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ عن سعید بن عبید: ۲/۳۹۳۔
(۳) حوالۂ سابق۔
(۴) السنن البیہقی ۲/۴۹۶۔ نیز دیکھئے: (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۳۹۳)

پھر یہ بات بھی ملحوظ رکھی جائے کہ صحابہ اور اس کے بعد کے اَدوار میں تین شہر علومِ اسلامی کے اور بالخصوص فنِ حدیث کے مراکز رہے ہیں، مکہ، مدینہ اور کوفہ، امام شافعیؒ کا ابتدائی دور مکہ میں گذرا، امام مالکؒ نے پوری زندگی مدینہ میں گذاری اور امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ میں آنکھ کھولی اور زیادہ تر یہیں محدثین سے استفادہ کیا اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کی فقہی آراء زیادہ تر علماءِ کوفہ کی رائے پر مبنی ہے جو متوارثاً حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ سے آرہی تھیں۔ امام مالکؒ کے یہاں اہلِ مدینہ کے تعامل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ یہ تعامل عہدِ صحابہ سے نسلاً بعد نسلٍ آرہا تھا، امام شافعیؒ عام طور پر علماءِ مکہ کی آراء کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور علماءِ مکہ عام طور پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور ان کے تلامذہ کی احادیث اور فتاویٰ کو اپنے عمل کی بنیاد بنایا کرتے تھے۔

اب غور کیجئے تو ان تینوں مراکزِ علمی کا معمول بیس رکعت تراویح کا رہا ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے شاگردِ خاص سعید بن جبیر کے بارے میں گذر چکا ہے کہ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے، علماءِ مکہ میں عطاء بن ابی رباح کا بیان گذر چکا ہے کہ ان کے عہد میں ۲۰ رکعت کا معمول تھا اور ابن ابی ملیکہ تو خود ہی ۲۰ رکعتیں پڑھایا کرتے تھے اور خود امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا ہے وھکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون بعشرین رکعة" (۱)

مدینہ منورہ میں آپ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہی کے عہد سے ۲۰ رکعت تراویح کا تعامل تھا، حضرت علیؓ بھی ۲۰ رکعتوں کا حکم دیتے تھے اور امام مالکؒ نے اپنے عہد تک یہی تعامل پایا، یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں ۲۰ رکعت تراویح ہوتی تھی،

(۱) ترمذی ۱/۱۶۶۔ نیز دیکھئے: مختصر قیام اللیل للمروزی: ۹۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور ہر ترویحہ پر چار چار رکعت نفل پڑھی جاتی تھی اور پھر تین رکعت وتر اور وتر کے بعد کی دو رکعت نفل، اس طرح اکتالیس رکعتیں ہو جاتی تھیں، امام ترمذیؒ نے اکتالیس والا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ یہی اہلِ مدینہ کا قول ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے۔ وھو قول اھل المدینة والعمل علیٰ ھٰذا عندھم بالمدینة "(۱)

جہاں تک کوفہ کی بات ہے تو حضرت علیؓ کا معمول گذر چکا ہے کہ ان کے عہد میں ۲۰ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی، اسود بن یزید جو کوفہ کے کبار فقہاء و محدثین میں تھے، ۴۰ رکعتیں پڑھا کرتے تھے (۲) سوید بن غفلہؓ جو اکابرِ تابعین میں ہیں، ان کا معمول گذر چکا ہے کہ ۲۰ رکعت کا تھا اور حارثِ اعورؒ جو حضرت علیؓ کے تلامذہ میں ہیں وہ بھی ۲۰ رکعتیں پڑھایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اہلِ کوفہ کے تعامل کو ہی دیکھتے ہوئے بیس رکعت والی روایت کو ترجیح دیا ہوگا۔

لہٰذا گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعداد صحیح طور پر ثابت نہیں اور بیس رکعت والی روایت بھی ضعیف ہے لیکن عہدِ صحابہ سے ائمہ مجتہدین اور حضرات اکابر محدثین کے عہد تک بیس رکعتوں کا معمول رہا ہے اور اہلِ علم اس بات سے واقف ہیں کہ اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہو اور فقہاء و محدثین اور علماءِ راسخین نے عام طور پر اس کو قبول کر لیا ہو تو وہ حدیث مقبول ہوتی ہے، اسی کو "تلقی بالقبول" کہا جاتا ہے۔

مشہور محدث علامہ جلال الدین سیوطی کا بیان ہے:

یحکم للحدیث بالصحة	جس حدیث کو لوگوں (اہلِ علم) نے قبول

(۱) ترمذی ۱/۱۶۶، نیز ملاحظہ ہو: مختصر قیام اللیل للمروزی ۹۶۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۲/۷۳۔

اذا تلقاہ الناس بالقبول	کر لیا ہو گو اس کی کوئی سند نہ ہو پھر بھی اس
وان لم یکن له اسناد صحیح (۱)	حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائیگا۔

حافظ ابن حجر نے حدیث کے مقبول ہونے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

ان یتفق العلماء علی العمل	علماء کرام کسی حدیث پر عمل کی بابت متفق
بہ بمدلول حدیث فانه یقبل	ہو جائیں تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس
حتی یجب العمل بہ وقد صرح	پر عمل کرنا واجب ہوگا، ائمہ اصول
بذلك جماعة من ائمة	کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی
الاصول (۲)	ہے۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں:۔

وکذا اذا تلقت الامة الضعیف	جب کسی ضعیف حدیث کو امت میں مقبولیت
بالقبول یعمل بہ علی الصحیح	کا درجہ حاصل ہو جائے تو صحیح قول کے
حتی انه ینزل منزلة المتواتر	مطابق اس پر عمل کیا جائیگا حتی کہ اسے خبر متواتر
حتی انه ینسخ المقطوع بہ (۳)	کے درجہ میں رکھا جائیگا اور اس سے قطعی خبر کو منسوخ بھی کیا جا سکے گا

یہ حدیث کہ "وارث کے لئے وصیت معتبر نہیں" محدثین کے یہاں ان احادیث میں ہے جن کا صحیح ہونا محلِ نظر ہے لیکن امام بخاریؒ نے اس کو قبول کیا ہے، کیونکہ اہلِ علم نے اس کو عمل کے لئے قبول کیا ہے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسی بات جس کی دین میں اصل نہ ہو، جس کا کوئی ثبوت نہ ہو، اس کا اسلام کے ان ادوار میں مقبول و معمول بن جانا ناقابلِ تصور ہے

(۱) تدریب الراوی ۴۴۔
(۲) الاجوبۃ الفاضلہ ۲۲۱، بحوالہ الافصاح علی نکت ابن الصلاح۔
(۳) فتح المغیث ۱۲۰ — ۱۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جن کے بہتر ہونے کی خود آپؐ نے شہادت دی ہے، جس میں آپؐ کے صحبت یافتہ اور آپؐ کے فیض یافتگان کے رفقار و اصحاب موجود ہوں، پھر مسائل ایسے ہوں جن میں اپنی طرف سے کم و بیش کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو اور کمی و زیادتی بدعت ہو اور بدعت پر نکیر اور اس کو روکنے کی سعی و کوشش ضروری ہے، تو کیا یہ صحابہ اور اجلۂ تابعین و تبع تابعین ایک بدعت اور منکر پر متفق ہو گئے تھے بلکہ خود ان کے مرتکب تھے اور ان کا ایمان اتنا کمزور تھا کہ کوئی ٹوکنے والی زبان اور روکنے والا ہاتھ نہ تھا اور نعوذ باللہ وہ ہم جیسوں سے بھی گئے گذرے تھے جو اپنے زعم و خیال کے مطابق ایک خلافِ سنت طریقۂ نماز کی مخالفت پر کمربستہ تھے ———— ؟

اس لئے عہدِ صحابہ سے امت میں کسی بات کا تعامل اتنی بڑی دلیل ہے کہ اس کے مقابلہ میں اگر بخاری و مسلم کی بھی کوئی روایت ہو تو اس کو ترجیح نہ ہو گی اور اس کی ایسی توضیح کی جائے گی کہ وہ اس تعامل سے نہ ٹکراتا ہو، اسی لئے ۸ رکعت والی روایت کو تہجد سے متعلق تصور کیا جائے گا اور ۲۰ رکعت تراویح کے تعامل پر عمل کیا جائے گا۔

خلفائے راشدین کی سنت

پھر یہاں ہمیں خصوصیت سے اس فرمانِ رسالت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے:

فانه من يعيش منكم	تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے —
بعدی فیری اختلافاً کثیراً	وہ بہت سے اختلافات کو دیکھے گا، اس
فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء	وقت تم پر لازم ہوگا کہ میری سنت اور
الراشدین المهدیین تمسکوا	ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت پر
بها وعضوا علیها بالنواجذ	عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور دانت سے مضبوط پکڑ لو یعنی اس پر سختی سے عمل پیرا

وا
راشدین
آپ ہی
نہیں د
علیؓ کا
اس کے
عائشہ
نہیں
وتر
کہ اس
وہ نم
نمازیں
انہی
(۱)
(۲)
(۳)

وایاکم ومحدثات الامور (۱)	رہو، اور دین میں) پیدا ہونے والی نئی نئی چیزوں سے خوب بچو۔

اس روایت نے دونوں باتیں واضح کر دیں، یہ بھی کہ آپؐ کے خلفائے راشدین اور اصحاب کی سنت بھی قابلِ اتباع و پیروی ہے اور یہ دراصل بالواسطہ آپؐ ہی کی پیروی ہے، اور اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ اس پر عمل کو بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا ———— اور گذر چکا کہ خلفائے راشدین میں حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کا معمول تو ۲۰ رکعتوں کا تھا ہی، بعض روایات میں حضرت عثمانؓ کا بھی ذکر ہے۔ اس کے باوجود اس کا انکار اور انکار پر اصرار کیسی جسارت کی بات ہے؟ ————

جو لوگ تراویح کو آٹھ رکعت قرار دیتے ہیں، ان کی اصل دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (۲)، ظاہر ہے ان میں آٹھ رکعت اصل نماز ہوتی تھی اور تین رکعت وتر ———— اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس سے ایسی نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہو اور وہ نماز تہجد ہے، نمازِ تراویح اس سے مراد نہیں، تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، تراویح ابتدائے شب میں پڑھی جاتی ہے اور تہجد آخر شب میں، اس لئے اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح پر استدلال کرنا درست نظر نہیں آتا۔

پھر حضرت عائشہؓ کی روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنهن	حضورؐ چار رکعت نماز اس طرح پڑھتے کہ
وطولهن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل	اس کے حسن اور طول کا کیا پوچھنا، پھر اسی طرح
عن حسنهن وطولهن (۳)	چار رکعت پڑھتے، اس کا حسن اور طول بھی کیا ہی خوب ہوتا۔

---

(۱) مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن عرباض بن ساریہ۔

(۲) بخاری ۱/۱۵۴۔

(۳) بخاری ۱/۱۵۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اس طرح ۸ رکعتیں ادا کیں کہ چار چار رکعت پر سلام پھیرا، سرخیل علماء غیر مقلدین مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کو بھی اعتراف ہے کہ یہ چار چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں (۱)

ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت سعد بن یزید کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابی بن کعب رضؓ اور تمیم داری رضؓ کو گیارہ رکعت یعنی آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھانے کا حکم دیا تھا، اس روایت کو امام مالکؒ نے بھی مؤطا میں نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ اس روایت میں وہم ہو گیا ہے، کیوں کہ اکثر روایتوں میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے، اور مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا خیال ہے کہ یہ وہم روایت کے ایک راوی محمد بن یوسف سے پیش آیا ہے (۲)

اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے دور میں تراویح اور تہجد دونوں کی جماعت کا معمول تھا، آپ رضؓ نے تراویح کے لئے ۲۰ رکعت کا حکم دیا ہوگا اور تہجد کے لئے آٹھ رکعت کا، جس کی تائید روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

نعم البدعة هذه والتي	یہ کیا ہی بہتر نیا طریقہ ہے اور وہ نماز جسے تم
تنامون عنها افضل من التي	سونے کی نذر کر دیتے ہو یعنی اخیر شب کی نماز
تقومون۔ يريد آخر الليل	وہ بہتر ہے اس نماز سے جسے تم انجام دیتے ہو، واضح
كانوا يقومون في اول الليل (۳)	ہو کہ عام لوگ اول شب ہی میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱/۳۳۱۔

(۲) دیکھئے اوجز المسالک ۱/۹۵-۳۹۴۔

(۳) مصنف عبدالرزاق ۴/۲۵۹۔

میرے اس نقطۂ نظر کی تائید حضرت سائب بن یزید رضؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو محدث ابو عبداللہ، محمد بن نصر مروزی (م: ۲۹۴ھ) نے نقل کیا ہے کہ:

كنا نصلي في زمن عمر بن	ہم لوگ رمضان المبارک میں حضرت عمر بن خطاب رضؓ
الخطاب في رمضان ثلث عشرة	کے زمانہ میں تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے، لیکن
ركعة ولكن والله ما كنا نخرج	بخدا ہم لوگ سورج طلوع ہونے کے قریب
الا في وجاه الصبح (۱)	ہی نکلتے۔

اس روایت سے واضح ہے کہ آٹھ رکعت فجر سے کچھ پہلے ادا کی جاتی تھی گویا یہ نماز تہجد تھی، نہ کہ تراویح، کیونکہ تراویح تو رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔

اس لئے صحیح یہی ہے کہ بیس رکعت تراویح مسنون ہے، ۸ رکعت تراویح کی کوئی صریح روایت موجود نہیں، یہی عہدِ صحابہ سے لے کر فقہاء و محدثین اور سلفِ صالحین کے دور تک ہمیشہ کا معمول رہا ہے اور حرمین شریفین میں بھی اب تک یہی بیس رکعت ادا کی جاتی ہے، حضراتِ صحابۂ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین اور سلفِ صالحین ایک ایسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے جس کی کوئی اصل نہیں، اس کو بدعت یا فقہاء کی اختراع کہنا نہایت جسارت کی بات ہے، بیس رکعت میں آٹھ رکعتیں بھی شامل ہیں، اس طرح اگر آٹھ رکعت والی روایتوں کو تہجد نہ سمجھا جائے جب بھی آٹھ والی روایت پر بھی عمل ہو جاتا ہے، اس لئے اسی میں زیادہ احتیاط اور اتباعِ سنت کا لحاظ ہے۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

(۱) مختصر قیام اللیل وقیام رمضان : ۹۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق

خواتین کے بارے میں شریعت کا عمومی مزاج یہ ہے کہ ہر کام میں حتی الامکان ستر و حجاب سے کام لے، جن کاموں میں بے حجابی کا اندیشہ تھا وہاں عورتوں کے لئے استثنائی احکام رکھے گئے ہیں۔ مردوں پر جہاد فرض ہے عورتوں پر جہاد فرض نہیں، بلکہ آپؐ نے تو حج ہی کو ان کا جہاد قرار دیا (١)، جمعہ و عیدین اور جماعت کے واجبات سے وہ مستثنیٰ ہیں، نہ وہ امام ہو سکتی ہیں نہ مؤذن۔ ان کے لئے گھر پر نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے (٢)، مسجد آہی جائیں تو ان کی صف سب سے آخر رکھی گئی۔ پہلے مرد پھر بچے، اس کے بعد عورتیں، اس لئے فقہاء نے نماز کی کیفیت و ہیئت میں بھی مرد و عورت میں کسی قدر فرق رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ عورتیں ایسا طریقہ اختیار کریں کہ اس میں زیادہ ستر و حجاب کی رعایت ہو۔

یہی حضرات فقہاء اور محدثین کا مسلک ہے اور اکثر اہلِ علم اسی کے قائل ہیں۔ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں (٣) علامہ دردیر مالکیؒ نے

(١) مشکوٰۃ ١/٢٢١۔

(٢) دیکھئے: بیہقی ٣/١٣٠، فتح الباری ٢/٣٥٠۔ (٣) الشرح الصغیر ١/٣٢٩۔

آدابِ مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالتِ سجدہ میں پیٹ رانوں، کہنیاں گھٹنوں اور بازو پہلو سے الگ رہنے چاہئے۔ لیکن عورتیں ان سب کو ملا کر اور سمیٹ کر رکھیں، اس طرح قعدہ میں مردوں کو رانیں کسی قدر علٰحدہ رکھنی چاہئے، ... مگر عورتوں کو ملا کر ہی رکھنا چاہئے (١)
فقہائے شوافع و حنابلہ نے بھی مختلف کیفیات خصوصاً رکوع و سجود اور قعدہ میں مرد و عورت کے طریقے مختلف رکھے ہیں (٢)، نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کی روایات سے واضح ہے کہ عطاء، مجاہد، حماد، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن شہاب زہری، قتادہ، ابن جریج اور صحابہؓ میں حضرت علیؓ کی رائے بھی یہی ہے۔

سلفِ صالحین کی یہ رائے جہاں عورتوں سے متعلق اسلامی تعلیمات کی روح سے ہم آہنگ ہے وہیں اس پر متعدد احادیث، نیز صحابہ اور تابعین کے فتاوے بھی شاہد ہیں، جو ظاہر ہے کہ عہدِ نبویؐ سے قرب کی وجہ سے سنتوں سے زیادہ واقف اور آگاہ تھے۔ چنانچہ:

١۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے:

قال لی رسول الله صلی	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
الله علیه وسلم یا وائل بن حجر	فرمایا اے وائل بن حجر جب تم نماز
اذا صلیت فاجعل یدیك	پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں
حذاء اذنیك والمرأة تجعل	تک اٹھاؤ اور عورت اپنے
یدیها حذاء ثدییها (٣)	دونوں ہاتھ اپنے سینہ کے برابر اٹھائے۔

(١) الشرح الصغیر ١/٢٣٠۔ (٣) طبرانی کبیر ٢٢/١٨۔

(٢) متن الغایۃ والتقریب: ٤٧ — ٢٧۔ المغنی ١/٣٢٩۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے:

زجر النبیؐ ان تصل المرأۃ برأسہا شیئًا۔ (۱)

آپؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنا ہاتھ کچھ بھی سر تک لے جائے۔

۳- عن زید بن ابی حبیب انہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذلک لیست کالرجل۔ (۲)

زید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم (سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

۴- حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

خیر صفوف الرجال الاول وخیر صفوف النساء الصف الأخر. وکان یأمر الرجال ان یتجافوا فی سجودہم ویأمر النساء ینخفضن فی سجودہن وکان یأمر الرجال ان یفرشوا

مردوں کی بہترین صف پہلی صف اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے۔ آپؐ مردوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ کی حالت میں اپنے اعضاءِ جسم الگ الگ کر کے رکھیں اور عورتوں کو پست ہو کر سجدہ کرنے کا حکم فرماتے تھے، مردوں کو حکم فرماتے

(۱) مصنف عبدالرزاق ۳/۱۳۸۔

(۲) مراسیل ابی داؤد: ص ۸۔ بیہقی: ۲/۲۲۳۔

الیسریٰ وینصبوا الیمنیٰ فی التشہد ویأمر النساء ان یتربعن۔ (۱)

تھے کہ تشہد میں دایاں پاؤں اٹھائیں اور بایاں پاؤں بچھائیں اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ چہار زانو ہو کر بیٹھیں

۵- حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

اذا جلست المرأۃ فی الصلوٰۃ وضعت فخذہا علیٰ فخذہا الاخریٰ واذا سجدت الصقت بطنہا فی فخذہا کاستر مایکون لہا وان اللہ تعالیٰ ینظر الیہا ویقول: یاملائکتی اشہدکم انی قد غفرت لہا۔ (۲)

جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں سے چپکا لے تاکہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظرِ رحمت فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں اس پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔

۶- حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ:

سئل کیف کان النساء یصلین علیٰ عہد رسول اللہؐ. قال: کن یتربصن ثم أمرن ان یحتفزن (یعنی یستوین جالسات علی اوراکہن.) (۳)

آپؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہؐ کے عہد میں خواتین کس طرح نماز ادا کرتی تھیں؟ آپؓ نے فرمایا، چہار زانو بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔

(۱) سننِ بیہقی ۲/۲۲۳ ـ ۲۲۲۔

(۲) حوالۂ سابق: ۲/۲۲۳۔

(۳) جامع المسانید ۱/۴۰۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

٧۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

اذا سجدت المرأة فلتحتفز	عورت کو خوب سمٹ کر اور دونوں رانوں
ولتضم فخذیھا (۱)	کو ملا کر سجدہ کرنا چاہئے۔

٨۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؓ سے عورتوں کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:-

تجتمع وتحتفز۔ (۲)	یعنی عورت خوب سمٹ کر اور اپنے
	جسم کو ملا کر نماز ادا کرے۔

⁂

اس کے علاوہ اجلہ تابعین ابراہیم نخعیؒ، مجاہدؒ اور عطاءؒ وغیرہ سے بھی اس طرح کے فتاویٰ منقول ہیں (۳) ——— چنانچہ شریعت کی اسی روح کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے:

"وقد ادب اللہ تعالیٰ النساء	اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ ادب سکھلایا
بالاستتار وادبھن بذلک	ہے کہ وہ پردہ کریں اور یہی اللہ کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسولؐ نے بھی سکھلایا ہے اور عورتوں
واحب للمرأة فی السجود ان تضم	کے لئے سجدہ میں بہتر ہے کہ وہ اپنے
بعضھا الی بعض وتلصق بطنھا	اعضاء ملا کر رکھیں، پیٹ کو رانوں سے
بفخذیھا وتسجد کاستر مایکون	چپکالیں اور اس طرح سجدہ کریں کہ
لھا وھکذا احب لھا فی	ان کے لئے زیادہ سے زیادہ ستر
الرکوع والجلوس وجمیع	ہو، اسی طرح ان کے لئے بہتر ہے
الصلوٰۃ ان تکون فیھا	کہ رکوع میں بھی اور جلسہ میں بھی

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۶۹/۱۔ سننِ بیہقی ۲۲۲/۲۔
(۲) " " " ۲۷۰/۱۔ مصنف عبدالرزاق ۱۳۷/۲۔
(۳) دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ۲۷۱/۱ — ۲۷۰۔ مصنف عبدالرزاق ۳۹/۳ — ۱۳۷۔

کاستر مایکون لھا۔	بلکہ تمام ہی وہ اس طرح پڑھیں کہ جس
(۱)	سے ان کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ
	ہو جائے۔

⁂

نیز محدث بیہقیؒ نے عورتوں کے لئے رکوع و سجدہ کی ہیئت پر خصوصی باب قائم کرنے سے پہلے جو تمہید باندھی ہے وہ یوں ہے:

"وجماع مایفارق المرأة	نماز کے جن احکام میں مرد و عورت
فیه الرجل من احکام الصلوٰة	کے درمیان فرق ہے وہ اصولی
راجع الی الستر وھو انھا	طور پر ستر کے اصول پر مبنی ہے عورت
مامورة بکل ما کان استر	اس طریقہ پر مامور ہے جس میں اس
لھا۔ (۲)	کے لئے زیادہ ستر ہو۔

غرض احادیث، آثارِ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ سے واضح ہے کہ مرد و عورت کے نماز کی کیفیت میں بعض امور میں فرق کیا جائے گا۔ یہ رائے شریعت کے اس مزاج سے بھی موافقت رکھتی ہے کہ خواتین کے لئے زیادہ سے زیادہ ستر کا لحاظ رکھا جانا چاہئے اور یہی سلفِ صالحین، ائمہ متبوعین، محدثین اور فقہائے مجتہدین کی رائے ہے۔

(۱) کتاب الام ۱۱۵/۱۔
(۲) سننِ بیہقی ۲۲۲/۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مساجد میں عورتوں کی نماز

ایک صاحب نے مساجد میں خواتین کے نماز ادا کرنے کے مسئلہ پر استفسار کیا تھا، راقم الحروف نے اس کا جواب لکھا تھا، ذیل میں وہ سوال اور جواب درج کیا جاتا ہے تاکہ اس مسئلہ میں صحیح نقطۂ نظر کو سمجھا جاسکے ــــــ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

خلاصۂ سوال

مساجد میں خواتین کیلئے نماز کا خصوصی انتظام کرنے کی بابت ایک صاحب کی درج ذیل تحریر ہے، پس اس مسئلہ میں حکم شرعی کی وضاحت فرمائی جائے:

"صحاح ستہ کی مختلف روایات میں یہ بات موجود ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع نہ کرو، بعض روایات میں خواتین کو عید گاہ میں بھی لانے کا حکم دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کا مساجد اور عید گاہ میں نماز ادا کرنا سنت ہے، رہ گیا فتنہ، تو فتنہ اور فساد کا احتمال نمازی عورتوں اور مردوں ہی سے ؟ یہ بیمار ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے، آج کل معاشرہ میں کم و بیش ہر گھر سے عورتوں اور لڑکیوں کو نکلنا پڑتا ہے، تعلیم کی غرض سے ہو یا علاج و معالجہ کے لئے، اس لئے صرف مسجد جانے ہی سے ان کو باز رکھنا اور فتنہ و فساد کا بہانہ بنانا درست نہیں، حضرت عائشہ رضؓ نے تو جنگ جمل میں بھی شرکت کی تھی، جب صحاح ستہ کی حدیثوں میں یہ بات موجود ہے کہ عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکو، تو اس کے مقابلہ میں کوئی ضعیف حدیث یا فقہی مسئلہ کی اہمیت نہیں۔ اس لئے مسجد کے منتظمین کو چاہئے کہ مساجد میں خواتین کے لئے نماز کا انتظام کریں"۔

الجواب وَبِاللّٰہِ التوفیق

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مساجد میں عورتوں کا آنا جائز ہے یا ناجائز؟ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان کا مساجد میں آنا بہتر ہے یا نہیں؟ ان کے مساجد میں

آنے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کی ترغیب دی جائے یا ان کو گھر میں نماز ادا کرنے کی تلقین کی جائے اور کہا جائے کہ آپ کے لئے اس میں زیادہ فضیلت ہے، عورتوں کے لئے مستقل مسجد یا مسجد کا ایک حصہ تعمیر کرنا ان کو مساجد میں آکر عبادت کرنے کی ترغیب دینا ہے، پس اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لئے مساجد میں نماز کو پسند کیا ہے یا گھر میں؟ اگر مساجد میں پسند کیا ہو تو ضرور مسجد تعمیر کریں اور ان کو اس کی دعوت دیں، اور اگر ان کے لئے مساجد کے بجائے گھروں میں نماز کی ادائیگی بہتر ہے تو ایسی تدابیر نہ کی جائیں جن سے خواتین کے مساجد میں آکر نماز ادا کرنے کی حوصلہ افزائی ہو۔ اگر اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء کے علاوہ خود احادیث پر بھی نگاہ ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کا مسجدوں میں آنا بہتر نہیں، ان کا گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضؓ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا خیر من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی حجرتھا خیر من صلوٰتھا فی دارھا وصلوٰتھا فی دارھا خیر من صلوٰتھا فی مسجد قومھا۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کا گھر کے ایک چھوٹے کمرہ میں نماز ادا کرنا ہال میں نماز ادا کرنے سے اور ہال میں نماز ادا کرنا مکان کے احاطہ میں نماز ادا کرنے سے اور اپنے مکان کے احاطہ میں نماز ادا کرنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

---

(۱) بیہقی ۳/ ۱۳۱، اعلاء السنن بحوالہ طبرانی ۴/ ۲۶۰ اور اس کی سند جید ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت ام حمید ساعدیہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، ظاہر ہے کہ یہ نماز مسجد میں اور مسجدِ نبویؐ جیسی عالی مرتبت مسجد میں ہوتی اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں، یہ زیادہ بہتر ہے، طبرانی اور مسند احمد میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے:

عن ام حمید الساعدیہ انہا جاءت الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ انی احب الصلوٰۃ معک قال قد علمت وصلوٰتک فی بیتک خیر لکِ من صلوتکِ فی حجرتک وصلوٰتک فی حجرتک خیر من صلوٰتکِ فی دارک وصلوٰتکِ فی دارک خیر من صلوٰتک فی مسجد قومک وصلوتکِ فی مسجد قومک خیر من صلوٰتک فی مسجد الجماعۃ۔ حافظ ابن حجر جیسے بلند پایہ محدث اور ناقدِ حدیث نے اس حدیث کو "حدیث حسن" یعنی مقبول و معتبر قرار دیا ہے (۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ماصلت امرأۃ احب الی اللہ	کسی عورت کی عنداللہ اس سے محبوب
من صلوٰتہا فی اشد بیتہا	کوئی نماز نہیں کہ وہ اپنے نہایت
ظلمۃ (۲)	تاریک کمرہ میں نماز ادا کرے۔

---

(۱) فتح الباری ۲/۳۵۰۔

(۲) بیہقی ۳/۱۳۱۔

ان صحیح اور مستند معتبر اور واضح وصریح ارشاداتِ نبویؐ سے ثابت ہے کہ خواتین کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر اور افضل ہے۔ اور جب ان کے حق میں یہ عمل بہتر ہے تو ظاہر ہے کہ یہی عمل ان کے لئے زیادہ اجر وثواب کا باعث بھی ہے، پس حدیث وسنت سے محبت اور سچے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور خواتین کے مساجد میں آنے کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی، اسی طرح خواتین کو یہ ترغیب دی جائے کہ منشاءِ نبویؐ کے مطابق مسجدوں میں آنے کے بجائے وہ گھروں میں نماز ادا کریں کہ ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقہ کو زیادہ پسند فرمایا ہے نہ یہ کہ ان کو مساجد میں آکر نماز ادا کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۲- یہ صرف حنفیہ ہی کی رائے نہیں ہے کہ عورتوں کا مسجدوں میں آنے سے اجتناب بہتر ہے بلکہ اس پر قریب قریب تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے، چنانچہ مشہور شافعی محدث اور فقیہ امام نووی نے اپنی گرانقدر تالیف "شرحِ مہذب" (۴/۱۹۸) اور فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ مقدسی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "المغنی" (۲/۱۸) میں بھی یہی بات لکھی ہے، اس لئے اس کو کسی ایک گروہ کی رائے نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ جمہور فقہاء وشارحینِ حدیث کا یہی نقطۂ نظر ہے۔

۳۔ جن احادیث کا عورتوں کے مساجد میں آنے کی بابت تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کا احتیاط اور حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ مسجدوں میں جانا جائز ہے، اس لئے اس کو جائز تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمام ہی علماء کہتے ہیں، لیکن سلفِ صالحین بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر اس کو مکروہ اور شرعاً ناپسندیدہ ہونے کے قائل تھے، کوئی بھی صاحبِ عقل اور قرآن وحدیث کا رمز شناس اس حالات اور ماحول کے تفاوت سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیر کا غلبہ تھا، لوگ نگاہوں کی حفاظت کرتے تھے، خواتین بھی حد درجہ پردہ کا اہتمام کرتی تھیں، ان کے لباس سادہ ہوتے تھے، نیز خوشبو کے استعمال سے احتیاط کرتی تھیں، صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قانونِ شرعی کے نفاذ کا اثر تھا کہ پورے عہدِ نبوت میں زنا کے صرف پانچ، چھ مقدمات عدالت کے سامنے آئے، نماز کے وقت صورتحال یہ ہوتی تھی کہ تمام ہی لوگ مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ منافقین بھی مسجدوں میں حاضری سے چارہ نہیں پاتے تھے۔ اس لئے اس کا خطرہ نہ ہوتا تھا کہ راستہ میں اوباش لوگ ہوں گے اور راہ گیروں سے چھیڑ چھاڑ کریں گے۔

سلسلۂ وحی جاری تھا، خواتین کے لئے تعلیم وتعلم کا اس طرح کا کوئی نظم نہیں تھا جس طرح کا نظم مردوں کے لئے صفہ میں تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات اور طریقۂ عبادت سے براہِ راست آگہی اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ وہ مساجد اور عبادت گاہوں میں آیا کریں اور عبادت اور موعظت کے مواقع میں آپ کے عمل کو براہِ راست دیکھ سکیں اور آپ کی باتوں کو خود سن سکیں اور بعد میں اس کو روایت کرسکیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی، اگر خواتین مسجد آنے پر اصرار کریں تو روکا نہیں جائے اور اس میں شدت نہ برتی جائے۔

۴- پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے مسجد میں آنے کے کچھ

آداب بھی مقرر فرمائے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتیں دیدہ زیب کپڑے پہن کر اور خوشبو کا استعمال کرکے نہ آئیں، چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "التمہید" میں حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایھا الناس انھوا نساءکم	لوگو! اپنی خواتین کو مسجدوں میں
من لبس الزینة والتبختر	خوشبو کے استعمال اور آرائشی لباس
فی المساجد فان بنی اسرائیل	سے منع کرو، کیونکہ بنی اسرائیل اسی
لم یمنعوا نساءھم الزینة	وقت ملعون ٹھہرائے گئے جب ان
وتبخترھا فی المساجد۔	کی عورتوں نے آرائشی لباس اور
۰ ۰ ۰ ۰	خوشبو کا استعمال مسجدوں میں
(۱)	شروع کردیا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بنی اسرائیل کی خواتین کو بھی ابتداءً مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن جب ان میں جذبہ آرائش کا غلبہ ہوا تو ان کو مساجد میں آنے سے روک دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اگر یہی علت اس امت میں پائی جائے تو اس امت میں بھی خواتین کے مساجد میں آنے کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے۔ جن حضرات نے عورتوں کو اس سے منع کیا ہے انہوں نے خدانخواستہ حدیث کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ شریعت کے مقصود ومنشاء کو سمجھ کر اس کے تقاضا پر عمل کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ منشاءِ شریعت کو سمجھنے کے لئے کتاب وسنت پر نگاہ کے ساتھ ساتھ عقل وبصیرت اور مومنانہ فراست بھی مطلوب ہے اور یہ کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

(۱) فتح القدیر ۱/۳۶۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بخاری کی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو صرف رات کے وقت مسجدوں میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی (۱)، رات سے مراد وہ نمازیں ہیں جو تاریکی میں پڑھی جاتی ہیں یعنی مغرب، عشاء اور فجر، کیوں کہ ان اوقات میں تاریکی کی وجہ سے بے پردگی سے حفاظت کا ایک قدرتی انتظام موجود ہوتا ہے اور اہلِ علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان اوقات میں اہلِ فسق کی چلت پھرت کم ہو جاتی تھی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آجکل رات کے وقت فتنے جاگتے ہیں اور فسق و فجور میں مبتلا لوگ اپنا دام پھیلاتے ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ کیا موجودہ ماحول میں یہ بات ممکن ہے کہ خواتین کو دیدہ زیب لباس اور خوشبو کے استعمال سے روکا جاسکے، اور ان کے لئے اس طرح کی پابندی لگائی جاسکے کہ وہ ایسے اوقات میں مسجدوں میں آنے سے گریز کریں جن اوقات میں فتنہ کا اندیشہ ہو؟ پھر کیا یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ فسق و فجور کا مزاج رکھتے ہوں، قانون کی طاقت استعمال کر کے ان کو مسجدوں کے قریب آنے جانے سے باز رکھا جاسکے اور کیا یہ بات بھی ممکن ہوگی کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ان اسباب کو ختم فرمایا جو انسان کے اندر برے خیالات پیدا کرتے ہیں، پردہ کا حکم سختی کے ساتھ دیا گیا، مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے منع فرمایا گیا، شراب پر مکمل پابندی عائد کی گئی، زنا کو نہ صرف حرام کیا گیا بلکہ وہ تمام راستے بھی بند کر دیئے گئے جو انسان کو ایسی برائیوں کی طرف لے جاتے ہیں، کیا آج کسی مسجد کی کمیٹی کے لئے ایسی احتیاطی تدبیروں کا اہتمام ممکن بھی ہے؟ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مسجد آنے والی

(۱) بخاری عن ابن عمر ۱/۱۲۳۔

خواتین شرعی حدود میں رہتے ہوئے گھر سے مسجد تک کا فاصلہ طے کریں گی اور اپنے خیالات اور جذبات کو بھی پاکیزہ رکھیں گی تو کیا یہ حسنِ ظن ان راستہ چلتے اور آتے جاتے اچھے برے مردوں سے بھی رکھا جاسکتا ہے؟

۵۔ انہی امور کو سامنے رکھتے ہوئے سلف صالحین اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات و معمولات سے آگاہ صحابۂ کرام نے اپنے عہد میں خواتین کی مسجدوں میں آمد و رفت کو ناپسند فرمایا، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کون ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند اور ناپسند سے واقف ہو اور خاص کر عورتوں کے افعال کے بارے میں لیکن وہ فرماتی ہیں کہ:

لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل فقلت لعمرة او منعن قالت نعم. (۱)

آج خواتین کا جو رویہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد سے روک دیا ہوتا جیسے بنی اسرائیل کی خواتین کو روک دیا گیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عمرہ سے دریافت کیا کہ کیا وہ روک دی گئی تھیں؟ انہوں نے کہا، ہاں

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ فتویٰ نہیں ہے، یہ بات کیسے سوچی جاسکتی ہے کہ مستفتی کو تو حدیثِ رسول سے اتنی محبت ہو کہ وہ حدیث کے مقابلہ فتویٰ قبول نہ کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ جانتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو روکنے سے منع فرمایا

(۱) مسلم ۱/۱۸۳، ابوداؤد ۱/۸۴، ترمذی ۱/۱۲۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے خلاف فتویٰ دے دیں، گویا ان کے دل میں سنتِ رسولؐ کی اتنی محبت بھی نہیں جتنی مستفتیٔ صاحب کے دل میں ہے، اس طرح کی بات دراصل حضراتِ صحابہ کے ساتھ گستاخی اور جسارت کا درجہ رکھتی ہے، اس سے توبہ کرنی چاہئے حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے اس فتویٰ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد و منشا کی تکمیل فرمائی ہے نہ کہ مخالفت۔

غور فرمائیے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنے صاحبزادہ پر اس لئے خفا ہوگئے کہ وہ ان کو مسجد میں جانے دینے پر آمادہ نہیں تھے، لیکن انہی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا معمول بسندِ صحیح یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ خواتین کو عیدین میں نہیں بھیجتے تھے، انه کان لایخرج نساءه فی العیدین (۱) اور حضرت عروہ بن زبیرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انه کان لایدع امرأة من اهله تخرج الی فطر ولا الی اضحیٰ (۲) وہ اپنی خاندان کی عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں (عیدگاہ) جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن صحابہ کو عورتوں کو مساجد میں جانے کی ممانعت پر ابتداءً اطمینان نہیں تھا، بعد کے حالات کو دیکھ کر وہ بھی اس کے قائل ہوگئے تھے کہ عورتوں کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بالخصوص ان حالات میں کہ عہدِ نبوت میں خواتین کے مساجد میں آنے کی جو مصلحت تھی وہ اب باقی نہ رہی اور ان کے مسجد میں آنے کے لئے جو شرائط اور حدود و قیود تھیں ان کو باقی رکھنا اب دشوار ہے۔

٦۔ یہ تو بچکانہ ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ صرف نمازی عورتوں اور مردوں کے

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۳۔ (۲) حوالہ سابق۔

فتنہ و فساد صادر ہونا ایک عظیم بہتان ہے۔ ایک تو جن حضرات نے خواتین کو مساجد میں آنے سے منع کیا ہے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ صرف نمازی خواتین سے فتنہ کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ بات ممکن بلکہ بہت ممکن ہے کہ بعض بدطینت عورتیں جو نماز کی پابند نہ ہوں نماز کا بہانہ کرکے غلط راستہ اختیار کریں، پھر یہ سوچنا بھی درست نہ ہوگا کہ جو نمازی ہو اس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے وجود میں خون کی طرح دوڑتا ہے، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو حضورؐ نے عورتوں کی صف پیچھے نہ رکھی ہوتی، یہ اصول نہ رکھا ہوتا کہ جب تک مرد سجدہ سے سر نہ اٹھالیں عورتیں سر اٹھانے سے گریز کریں یہ معمول مقرر نہ ہوتا کہ خواتین پہلے چلی جائیں اور مرد بعد میں مسجد سے جائیں۔ خوشبو اور دیدہ زیب لباس کی ممانعت نہ ہوتی، یہ تمام حدود و قیود صحیح و معتبر حدیثوں سے ثابت ہیں، ظاہر ہے یہ سب کچھ "نمازی خواتین" سے فتنہ کے سدِّباب ہی کے لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ بھی عہدِ نبویؐ میں جو حدیث کے مطابق "خیر القرون" ہے، یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ بہتان ایک الگ چیز ہے اور احتیاط ایک دوسری چیز۔

۷۔ یہ صحیح ہے کہ خواتین دوسری ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکلتی ہیں، ظاہر ہے کہ شریعت کا حکم وہاں بھی یہی ہے کہ اگر کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے بغیر وہ گھر سے نکلیں تو یہ ناپسندیدہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو ناجائز، لیکن ایک بنیادی بات سوچنے کی یہ ہے کہ اگر ایک عورت بازار جاتی ہے، وہاں اس کی طرف سے ایک ناشائستہ بات ظاہر ہوتی ہے یا خود وہ کسی ناشائستہ بات کا شکار ہوتی ہے تو ظاہر ہے یہ برائی دنیا کی طرف منسوب ہوتی ہے، اس سے بازار بدنام ہوتا ہے لیکن وہی برائی بلکہ اس سے کم تر درجہ کی بھی برائی کسی دینی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرکز پر پیش آئے، مسجد میں پیش آئے تو اب یہ برائی دین کی طرف منسوب ہوگی، دین اور دینی مراکز بدنام ہوں گے اور دین کے اعتبار و وقار کو نقصان پہنچے گا۔

یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ دوسری قوموں کی مذہبی عبادت گاہوں جہاں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، یا بدعات کے مراکز درگاہوں وغیرہ میں جہاں عرس کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے وہاں باوجودیکہ اپنے اپنے خیال کے مطابق (گوان کے عقائد باطل ہیں) تقدس و احترام ہی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے ناخوشگوار اور ناگفتنی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

۸۔ حضرت عائشہؓ کے جنگِ جمل کے واقعہ سے وہی شخص استدلال کرسکتا ہے جو تاریخ سے نابلد ہو، حضرت عائشہؓ کے اس عمل کو اکابر صحابہ میں سے کسی نے بھی پسند نہیں کیا، حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تفصیلی مکتوب لکھا اور ان کے اس عمل سے اختلاف فرمایا اور بعد کو خود حضرت عائشہؓ کو اپنے اس عمل پر پچھتاوا اور افسوس تھا، حیرت ہے کہ جس واقعہ پر حضرت عائشہؓ کو پچھتاوا تھا، اس سے مساجد میں خواتین کے نماز ادا کرنے پر استدلال کیا جائے اور حضرت عائشہؓ کا جو فتویٰ مساجد میں عورتوں کی آمد و رفت کی ممانعت سے متعلق تھا، اور جس پر وہ قائم و دائم رہیں، اس کو قابلِ اعتنا تصور نہ کیا جائے۔

۹۔ استفسار میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ "صحیح احادیث جو صحاحِ ستہ میں موجود ہیں اور جو سند کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے مقابلہ میں کوئی ضعیف حدیث یا فقہی مسائل کو کوئی اہمیت نہیں ہے"، اس طرح کی بات ناسمجھ اور ناواقف ہی لوگ کہہ سکتے ہیں، نہ یہ سمجھنا درست ہے کہ تمام صحیح حدیثیں صحاحِ ستہ ہی میں محفوظ ہو گئی ہیں، دوسری کتب میں غیر معتبر روایات ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ صحاحِ ستہ کی تمام روایتیں معتبر ہیں اور ان میں ضعیف روایات

نہیں، حقیقت یہ ہے کہ صحاحِ ستہ کے مصنفین تو بعد کے ہیں، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام عبدالرزاق ابن ہمامؒ، امام ابن ابی شیبہؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، یہ وہ ائمہ حدیث ہیں کہ بہت سی صحیح، معتبر ترین احادیث ہیں کہ ان حضرات کی کتابوں میں موجود ہیں صحاحِ ستہ میں نہیں ہیں، امام بخاریؒ نے خود لکھا ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں، میں نے ان سے صحیح بخاری کا انتخاب کیا ہے اور صحیح بخاری کی کل روایات سات ہزار سے کچھ اوپر اور مکررات حذف کرنے کے بعد دو ہزار سے کچھ اوپر ہیں، یہ روایتیں ان ائمہ مجتہدین کی کتابوں میں مل سکتی ہیں تو آخر اس سے بڑھ کر سنت سے عداوت کیا ہوگی کہ کوئی شخص حدیثِ نبویؐ سے بہ حیثیتِ حدیث محبت کرنے کے بجائے اس لئے محبت کرے کہ یہ فلاں کتاب میں آئی ہے نہ کہ فلاں کتاب میں؟ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

جتنی غلط بات یہ ہے کہ صحیح و مستند حدیث صرف صحاحِ ستہ میں ہے اس سے کم غلط اور خلاف واقعہ یہ بھی نہیں کہ صحاحِ ستہ کی تمام روایات معتبر ہیں، صحاحِ ستہ کی بہت سی روایات پر کلام کیا گیا ہے اور آجکل بعض غیر مقلد حضرات نے تو امام بخاری کو بھی نہیں بخشا ہے جن کی احادیث کی وہ دہائی دیتے ہیں۔

فقہی مسائل سے یہ بے نیازی بھی ایک لطیفہ سے کم نہیں، گویا اب ہر عام و خاص کو خود اجتہاد کرنا ہے، چاہے عربی زبان سے بھی واقف نہ ہو براہِ راست قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کرنا ہے، دنیا میں انسان کے خود ساختہ قوانین پر بھی گفتگو کے لئے کچھ علم اور مقام مطلوب ہے لیکن قرآن و حدیث اتنا مظلوم ہے کہ اس پر کلام کے لئے نہ علم کی ضرورت ہے اور نہ فہم کی، فقہی مسائل کیا ہیں؟ قرآن و حدیث میں جو اصول بتائے گئے ہیں اور جو احکام و

toobaa-elibrary.blogspot.com

قوانین مختلف مقامات پر مذکور ہیں، انہیں کی مرتب و مدون صورت! ان مسائل سے وہی شخص بے نیاز ہوسکتا ہے جو کتاب وسنت کے بجائے اپنی خواہشات کی شریعت پر عمل کرنا چاہتا ہو، پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ کسی حدیث کا صحیح وضعیف اور معتبر و نامعتبر ہونا آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ اسی طرح نہ کہ فلاں محدث نے اس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہا ہے؟ تو حدیث کی صحت و ضعف کے بارے میں آخر محدثین کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں تو فقہاء کے فتاویٰ زیادہ قابلِ عمل ہیں، کیوں کہ وہ حدیث کے الفاظ سے بھی واقف تھے اور اس کے معانی و مقاصد سے بھی۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایسے سماج میں جہاں قانون شریعت نافذ نہیں، شرعی حدود وقیود کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں، برائی کے محرکات عام ہیں بدنگاہی، بے پردگی، عریاں فلمی اشتہارات، ٹی وی اور ویڈیو کے ذریعہ ہر لمحہ گویا برائی کی دعوت دی جاتی ہے، وہاں خواتین کی مسجدوں میں آمد و رفت فتنوں کے دروازوں کو کھولے گی، دین کے نام پر بے دینی کا ارتکاب ہوگا، اس سے سنت کا احیاء نہیں بلکہ شریعت کے مقصد و منشا کی خلاف ورزی اور آپ کی تعلیمات کی مخالفت ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لئے اسی کو بہتر سمجھا ہے کہ وہ گھر ہی میں نماز ادا کیا کریں۔

اس لئے مساجد کے منتظمین کا خواتین کے لئے مسجدوں میں نماز کا مستقل نظم کرنا، اس کی ترغیب دینا اور حوصلہ افزائی کرنا نہایت نامناسب اور نادرست عمل ہوگا۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق وَھُوَالمستعان۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں

ایک ہی دفعہ یا ایک ہی مجلس کی تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی یا ایک ہی شمار ہوگی؟ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعیؒ، امام احمد اور جمہور علماء و محدثین اہلِ سنت والجماعت کا خیال ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ چنانچہ امام نووی کا بیان ہے:

قال الشافعی ومالک وابوحنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث.(۱)

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ اور جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوجائیں گی۔

اہلِ سنت والجماعت کا اس مسئلہ پر اس درجہ اتفاق رہا ہے کہ ایک محدث ابن تین کو خیال ہوگیا کہ تینوں طلاقوں کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف ہی نہیں (۲)، اصل میں ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ایک شمار کیا جانا شیعہ حضرات کا مذہب ہے، اہلِ سنت میں محض کچھ اصحاب ظواہر اس کے قائل تھے (۳)، اسی رائے کو ہمارے زمانہ میں غیر مقلد حضرات

(۱) شرح نووی علی مسلم ۱/۴۷۸۔

(۲) فتح الباری ۹/۲۷۶۔

(۳) فتح الباری ۹/۲۷۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے اختیار کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن، صریح احادیث اور حضرات صحابۂ کرام کے متفقہ فتاویٰ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہو جاتی ہیں اور یہی حق ہے۔

اہلِ سنت والجماعت جو قریب قریب اس بات پر متفق ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہو جاتی ہیں کے دلائل اس طرح ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

الطلاق مرتان فامساك بمعروفٍ اوتسريح باحسان ..... فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره۔ (البقرہ: ۲۲۹، ۲۳۰)	طلاق دو بار ہے پھر بھلے طریقہ پر روک لینا ہے یا بھلے طریقہ پر چھوڑ دینا، پھر اگر طلاق دے ہی دے تو وہ عورت اس وقت تک طلاق دینے والے مرد کے لئے حلال نہیں جب تک مطلقہ کسی اور مرد کے نکاح میں نہ جائے۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ طلاق کی تعداد کا تعلق مجلس سے نہیں ہے بلکہ اس بات سے ہے کہ کتنی بار طلاق دی جاتی ہے۔ اگر دو بار طلاق دے تو دو طلاق واقع ہوگی، تین بار دے تو تین طلاق واقع ہوگی، خود قرآن مجید میں دوسرے مواقع پر بھی "مرۃ" (بار) کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے گھر میں آمد کے لئے اجازت اور استیذان کے طریقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ليستأذنكم الذين ملكت ايمانكم والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مرات (سورۂ نور: ۵۸)	تمہارے غلام اور تم میں سے نابالغوں کو تین بار گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت طلب کرنی چاہئے۔

اگر کسی بات کے تین دفعہ واقع ہونے کے لئے تین مجلسوں میں اس کا وقوع ضروری ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے تین الگ الگ مجلسوں میں اجازت لینا ضروری ہو اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایسی بات کہے۔ اسی لئے خود امام بخاریؒ نے بھی اس آیت سے تین طلاقوں کے واقع ہو جانے پر استدلال کیا ہے اور اس طرح باب قائم کیا ہے:

باب من اجاز الطلاق الثلاث لقول الله تعالىٰ "الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان" (۱)	ان لوگوں کا بیان جنہوں نے ارشادِ خداوندی "طلاق دو مرتبہ ہے پھر بھلے طریقہ پر روکنا ہے یا چھوڑ دینا" کی وجہ سے تین طلاق کو واقع قرار دیا ہے۔

احادیث میں بھی ایک کام کے تین دفعہ کرنے کا حکم مختلف جگہ وارد ہوا ہے جیسے رکوع و سجدہ میں تین دفعہ تسبیحات کا پڑھنا، نمازوں کے بعد ۱۰ یا ۲۵ یا ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کا پڑھنا۔ مردہ کو تین یا پانچ یا سات بار غسل دینا۔ کفن کو تین بار دھونی دینا۔ ہر جگہ یہی "مرات" کا لفظ ہے جو آیتِ طلاق میں اوپر استعمال ہوا ہے اور ان میں سے کہیں بھی الگ الگ مجلسوں میں ان کو کہنا اور کرنا مراد نہیں۔ تو ضرور ہے کہ اس آیت میں دو یا تین مرتبہ طلاق دینے کا مطلب الگ الگ مجلسوں میں طلاق دینا نہیں بلکہ مطلقاً تین دفعہ طلاق دینا ہے خواہ ایک مجلس میں دی جائے یا الگ الگ مجلس میں اور یہ تینوں ہی طلاقیں معتبر اور مؤثر ہوگی۔

(۱) بخاری ۲/۷۹۱۔

وقور
تین
کوئی
خودا
کیا۔
لقو
فام
باحہ
ہوا۔
۱۰ یا
پانچ
لفظ
الگ
میں
نہیں
الگ
(۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

احادیث

احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں مطلقاً واقع ہوجاتی ہیں۔ خواہ ایک مجلس میں دی جائیں یا متعدد مجلسوں میں۔ چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم أتحل للأول؟ قال: حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا پھر اس سے بھی طلاق واقع ہوگئی۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اسی وقت جبکہ دوسرا شوہر پہلے شوہر کی طرح اس کا ذائقہ اٹھالے۔

(بخاری ۲/۷۹۱)

۲۔ عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن ان فاطمة بنت قیس اخبرته ان زوجها اباحفص ابن المغیرة المخزومی طلقها ثلاثا ثم انطلق الی الیمن فانطلق خالد بن ولید فی نفرفاتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت میمونة ام المؤمنین فقالوا: ان اباحفص طلق امرأته ثلاثا فهل لها نفقة؟ فقال رسول اللہ لیس لها نفقة وعلیها العدة (۱)

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؒ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے ان سے بتایا کہ ان کے شوہر ابو حفص بن مغیرہ مخزومی نے ان کو تین طلاق دیدی اور یمن چلے گئے۔ حضرت خالد بن ولید ایک جماعت کے ساتھ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے مکان میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابو حفص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے تو کیا وہ نفقہ کی حقدار ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ان کے لئے نفقہ نہیں ہے البتہ ان پر عدت ہے۔

مسلم کی بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ فاطمہ بنت قیس حضورؐ کی خدمت میں آئیں تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ ابو حفص نے تم کو کتنی طلاقیں دی ہیں؟ فاطمہ نے کہا تین "قلت ثلاثا" (۲)

غور فرمائیے کہ حضرت ابو حفص نے تین طلاقیں دی اور آپؐ نے ان کو واقع قرار دیا۔ یہ تینوں طلاقیں ایک ہی کلمہ میں دی گئی تھیں۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت میں ہے:

ان حفص بن المغیرة طلق امرأته فاطمة بنت قیس علی عهد رسول اللہ ثلاث تطلیقات فی کلمة واحدة فابانها منه النبیؐ ولم یبلغنا ان النبیؐ عاب ذلك علیه (۳)

حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو عہدِ نبویؐ میں ایک ہی کلمہ میں تین طلاق دیدی، آپؐ نے فاطمہ کو ان سے علاحدہ کردیا اور ہمیں ایسی اطلاع نہیں پہونچی کہ آپؐ نے ان کے اس عمل کی مذمت کی ہو۔

۳۔ آنحضورؐ کے زمانہ میں حضرت عویمرؓ اور ان کی اہلیہ کے درمیان لعان کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے احادیث میں

---

(۱) مسلم ۱/۴۸۴۔

(۲) مسلم ۱/۴۸۵۔

(۳) سُنن دار قطنی ۴/۱۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یوں آیا ہے :-

فلما فرغا قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱)

جب عویمرؓ اور ان کی اہلیہ لعان سے فارغ ہوئے تو عویمرؓ نے کہا اگر میں اس کو اب بھی رکھوں تو میں جھوٹا ہوں گا چنانچہ آپؐ کے حکم دینے سے پہلے ہی ان کو تین طلاقیں دیدیں۔

۴۔ عن انس قال معاذ بن جبل يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول، يا معاذ! من طلق البدعة واحدة او اثنين او ثلاثا الزمناه بدعته۔ (۲)

حضرت انسؓ حضرت معاذؓ سے راوی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ معاذ! جس نے طلاقِ بدعی دی ایک یا دو یا تین تو ہم اس پر اس کی بدعت کو لازم کردیں گے (یعنی طلاق واقع کردیں گے۔)

۵۔ عن عبادة بن الصامت قال: طلق جدی امرأة له الف تطليقة فانطلقت الى النبیؐ فسألته فقال: أما اتقى الله جدك، اما ثلاثة فله واما تسعمائة وسبعة وتسعون

حضرت عبادہؓ سے روایت ہے کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دیدی، میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسئلہ دریافت کیا آپؐ نے ارشاد فرمایا: تمہارے دادا کو خدا کا خوف نہیں، تین طلاق تو اس کی ہوئی (یعنی واقع ہوگئی) باقی ۹۹۷

(۱) بخاری ۲/۷۹۱۔ نیز دیکھئے: مسلم: ۱/۴۸۹۔

(۲) دار قطنی ۲/۴۴۴۔

فعدوان وظلم ان شاء الله عذبه وان شاء غفر له (۱)

ظلم و سرکشی ہے، اللہ چاہیں تو عذاب دیں چاہیں تو معاف فرمادیں۔

۶۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دے دی، آپؐ نے رجعت کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نے خلافِ سنت کام کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر میں نے اسی وقت تین طلاق دیدی ہوتی تو کیا میرے لئے رجوع کرنے کی گنجائش ہوتی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اور یہ تمہارا عمل معصیت اور گناہ ہوتا " أفرأيت لو انی طلقتها ثلاثا كان يحل لی ان اراجعها قال لا كانت تبين منك وتكون معصية " (۲)۔

۷۔ عائشہ خثعمیہ حضرت حسنؓ کی بیوی تھی، حضرت حسن نے ان کو ایک ساتھ تین طلاق دے دی۔ پھر عدت گذرنے کے بعد جب حضرت علیؓ نے متعہ کے طور پر کچھ تحفہ بھیجا تو خاتون نے کہا کہ جس محبوب کی طرف سے جدائی ہوئی ہے اس کی طرف سے یہ بہت حقیر تحفہ ہے "متاع قليل من حبيب مفارق"، حضرت حسن کو اس کی اطلاع پہنچی تو رونے لگے کہ اگر میں نے اپنے نانا سے نہ سنا ہوتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہو خواہ حالتِ حیض میں ہو یا ایک دفعہ میں تو وہ عورت اس وقت تک اس مرد کے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرے مرد کے نکاح میں نہ چلی جائے تو میں اس سے رجوع کرلیتا (۳)

(۱) مجمع الزوائد ۴/۳۳۸ بحوالہ طبرانی۔ نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۲۔ سننِ دار قطنی ۲/۴۳۲ ط: دہلی۔ المطالب العالیہ ۲/۶۳۔

(۲) سننِ بیہقی ۷/۳۳۴۔

(۳) سننِ بیہقی ۷/۳۳۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

علقمہؒ راوی ہیں:

۱۔ جاء ابن مسعود رجل فقال انی طلقت تسعا و تسعین وانی سألت فقیل قد بانت منی فقال ابن مسعود قد احبوا ان یفرقوا بینک وبینها قال فما تقول یرحمک الله فظن انه سیرخص له فقال ثلاث تبینها منک وسائرهن عدوان (۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ میں نے ۹۹ طلاقیں دی ہیں، میں نے مسئلہ معلوم کیا تو مجھے بتایا گیا کہ میری بیوی مجھ سے جدا ہوگئی، آپؓ نے فرمایا، لوگ تمہارے اور اس کے درمیان جدائی کے خواہاں ہیں، اس نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کی کیا رائے ہے؟ وہ آپؓ سے سہولت کی امید رکھتا تھا، آپؓ نے فرمایا تین طلاقوں نے تم کو اس سے جدا کردیا باقی ظلم وتعدی ہیں۔

۲۔ حضرت علیؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی ہے آپؓ نے فرمایا کہ تین طلاق کی وجہ سے وہ تم پر حرام ہو جائے گی باقی کو اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کردو (۲)

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو تین

(۱) مجمع الزوائد ۴/۳۳۸ بحوالہ طبرانی وقال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح۔ نیز دیکھئے: المطالب العالیہ ۲/۶۲۔ مصنف عبدالرزاق ۶/۹۵ — ۳۹۴۔ موطا امام مالک مع الزرقانی ۴/۶۸۔

(۲) بیہقی ۷/۳۳۷۔ نیز دیکھئے: مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۴۔

طلاق دیا اس کی طلاق واقع ہوگئی، البتہ اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی، "من طلق امرأته ثلاثا طلقت وعصیٰ ربه" (۱)

۴۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایسے شخص کو لایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی تھی، آپؓ نے اس کو درّہ رسید کیا اور فرمایا کہ تو نے دین سے کھلواڑ کیا ہے۔ پھر کہا کہ تمہارے لیے تین طلاقیں کافی تھیں، "ان کان لیکفیک ثلاث" (۲)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا وہ اس میں سے تین لے لے اور ستانوے چھوڑ دے۔ تھوڑے فرق کے ساتھ اس مضمون کی متعدد روایتیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہیں جن کو آپ کے ممتاز تلامذہ عطاء، سعید بن جبیر اور عکرمہ وغیرہ نے نقل کیا ہے (۳)

۶۔ عمران بن حصینؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک صاحب کے بارے میں سوال کیا گیا جنہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھی۔ فرمایا کہ اس نے گناہ کیا لیکن اس پر اس کی بیوی حرام ہوگئی۔ "فقال رجل طلق امرأته ثلاثا وهو فی مجلس قال اثم بربه وحرمت علیه امرأته" (۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ آیتِ قرآنی، احادیث اور صحابہ کے اقوال وفتاویٰ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۵۔

(۲) بیہقی ۷/۳۳۴۔ نیز دیکھئے: مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۳۔

(۳) دیکھئے: مصنف عبدالرزاق ۶/۹۷ — ۳۹۶۔ موطا امام مالک: ۱۹۹۔ المطالب العالیہ ۲/۶۳۔ بیہقی ۷/۳۳۷ — ۳۳۱۔

(۴) سننِ بیہقی ۷/۳۳۲۔

طلاق طلو ۴۔ ایک سے کہ لیک ۵۔ کوایک ست حضر سعید ۶۔ سوا کرا امر ا (۱) (۲) (۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سلسلہ میں اس قدر واضح اور بے غبار ہیں کہ کسی صاحب انصاف اور متلاشی حق کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا گو گناہ ہے لیکن واقع ہوجاتی ہے اور یہی عقل وقیاس کا بھی تقاضہ ہے۔

جو حضرات ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں ان کے پیشِ نظر دو روایات ہیں۔ ایک حضرت رکانہؓ والی اور دوسرے حضرت طاؤس کی، اور دونوں روایتیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہیں حضرت رکانہ کی روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی اور پھر آپ کے حکم سے رجوع فرمایا(۱)

لیکن اس روایت کی تہہ میں جائیں اور مختلف راویوں نے اس روایت کو جس طرح نقل کیا ہے اس پر غور کریں تو اصل واقعہ اس سے مختلف ہے، اصل میں حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو لفظ "بتّہ" کے ذریعہ طلاق دی تھی، نہ کہ صراحۃً تین طلاق۔ چنانچہ دارمی کی روایت میں ہے:

انہ طلق امرأتہ البتۃ فاتی النبیؐ فذکر ذٰلک لہ، فقال ما اردت فقال واحدۃ، قال: تاللہ؟ قال: تاللہ، قال ھو مانویت۔ (۲)	رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دیدیا وہ حضورؐ کی خدمت میں آئے اور اس کا ذکر کیا، آپؐ نے دریافت فرمایا تمہارا کیا ارادہ تھا؟ عرض کیا ایک طلاق کا آپؐ نے پوچھا: خدا کی قسم! کہا خدا کی قسم آپؐ نے فرمایا، تمہاری نیت کے مطابق طلاق ہوئی۔

(۱) ابوداؤد ۱/۲۹۸۔
(۲) دارمی ۲/۸۶۔

امام ابوداؤد نے اسی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت رکانہؓ نے طلاق "بتہ" دی تھی، کیوں کہ یہ روایت خود ان کے پوتے عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اور اہلِ خاندان سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ وہ انکے احوال سے زیادہ واقف ہوسکتے ہیں (۱)، پھر امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ کا اپنا فتویٰ بھی ایک مجلس کے تین طلاقوں کے تین ہونے کا ہے۔ چنانچہ مجاہد راوی ہیں کہ ایک صاحب عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: تم لوگ حماقت کرتے ہو، پھر ابن عباسؓ نے فرمایا، تم نے اپنے ربؐ کی نافرمانی کی اور اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔" عصیت ربك وبانت منك امرأتك" (۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ فتویٰ الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ آپؓ کے مختلف شاگردوں سے حدیث وآثار کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ حضرت رکانہ نے "بتہ" کے لفظ سے طلاق دی تھی اور لفظ "بتہ" میں ایک طلاق بائن مراد لینے کی بھی گنجائش ہے اور تین طلاق کی بھی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قسم کھلائی کہ حقیقت معنوں میں ان کی مراد کیا ہے؟ نہ یہ کہ تین طلاق دی گئی تھی۔ چوں کہ لفظ "بتہ" سے تین طلاق بھی دی جاتی تھی اسی لئے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے "بتہ" کے بجائے تین طلاق روایت کیا۔

طاؤس کی روایت مسلم اور ابوداؤد میں آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے

(۱) ابوداؤد ۱/۲۹۹۔
(۲) حوالۂ سابق۔

کہ ابو صہبار نامی شخص نے عبداللہ ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ کیا حضورؐ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کے ابتدائی تین سال میں تین طلاق ایک شمار نہ کی جاتی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں! جب عہدِ فاروقی میں لوگ بکثرت اس طرح طلاق دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو جاری فرما دیا (۱) اس روایت کا حال یہ ہے کہ امام نووی نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے :-

اما ھذہ الروایۃ التی لابی داؤد	ابوداؤد کی یہ روایت ضعیف
فضعیفۃ رواھا ایوب	ہے۔ اس کو ایوب سختیانی نے کچھ
السختیانی عن قوم مجھولین	مجہول لوگوں سے بواسطہ طاؤس
عن طاؤس عن ابن عباس	حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا
فلا یحتج بھا (۲)	ہے، اسلئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

ایسا بھی ممکن ہے کہ حدیث کا منشار طلاق کی ایسی صورت ہو جس میں فقرۂ طلاق کی تکرار تو ہو لیکن تین کی صراحت نہ ہو جیسے یوں کہا جائے تجھے طلاق ہو، تجھے طلاق ہو، تجھے طلاق ہو۔ اس میں دو احتمال ہے : ایک یہ کہ مقصود تو ایک ہی طلاق کا دینا ہو، دوسری اور تیسری دفعہ محض از راہِ تاکید طلاق کا تکرار کیا گیا ہو، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور اگر تین طلاق دینا ہی مقصود ہو تو تین طلاق واقع ہوگی۔ ابتدائی دور میں چوں کہ سچائی کا غلبہ تھا اس لئے لوگوں کی نیت پر اعتماد کیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ اَب نیتوں میں فساد آگیا ہے اس لئے

---

(۱) مسلم ۱/۴۷۸، ابوداؤد ۱/۲۹۹۔

(۲) شرح نووی علی مسلم ۱/۴۷۸۔

انہوں نے نیت کا اعتبار کرنا چھوڑ دیا، یہی حضرات فقہار کی رائے ہے کہ اگر اس طرح طلاق دی جائے اور طلاق دینے والے کی نیت ایک ہی طلاق دینے کی ہو تو دیانۃً ایک ہی طلاق واقع ہوگی لیکن اگر معاملہ قاضی کے پاس آئے تو اس کے لئے جھوٹ کا احتمال پائے جانے کی وجہ سے اس کی نیت کو قبول کرنا ضروری نہ ہوگا۔

یہ بات دو وجہوں سے قرینِ قیاس ہے۔ اول اس لئے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا فتویٰ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہو جانے پر ہے۔ دوسرے یہ بات بالکل ناقابلِ قیاس ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ایسی بات کو رواج دیا ہو جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو، ایک تو خود حضرت عمرؓ سے یہ بات بعید ہے اور اس سے زیادہ بعید بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس اقدام پر تمام صحابہ کرامؓ نے خاموشی اختیار کر لی ہو اور اس پر کوئی نکیر نہ کی ہو اور پھر اس کا ایسا تعامل ہوا ہو کہ قریب قریب تمام ہی اہلِ سنت نے اسی پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہو۔

سعودی عرب میں وہاں کے اکابر علمار اور اربابِ فتاویٰ کی ایک مجلس "ہیئۃ کبار العلمار" کے نام سے ہے جو اہم مسائل کی بابت اجتماعی غور و فکر کر کے فیصلے کرتی ہے۔ حکومتِ سعودیہ نے ۱۳۹۱ھ میں اس کی تشکیل کی تھی۔ اس مجلس میں شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے بشمول سعودی عرب کے تمام ہی اکابر علمار و مشائخ شریک ہیں۔ چنانچہ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں اس موضوع پر اس مجلس میں پوری وسعت کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا گیا، اور تمام آرار اور اس کے دلائل پر بحث کرنے کے بعد جو تجویز طے پائی اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہی فقرہ میں دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصافحہ کا مسنون طریقہ

غیر مقلد حضرات کا عام مسلمانوں سے جن مسائل میں اختلاف مشہور ہے ان میں سے ایک مصافحہ کا طریقہ بھی ہے، اہلِ حدیث حضرات کو اصرار ہے کہ مصافحہ صرف ایک ہاتھ ہی سے کیا جانا چاہیئے، دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک بہتر طریقہ ہے کہ دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔ اگر تمام احادیث کو سامنے رکھا جائے تو مجموعی طور پر وہ تین طرح کی نظر آتی ہیں۔ اول وہ حدیثیں جن سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا معلوم ہوتا ہے، دوسرے وہ روایات جن سے دو ہاتھ ملانا معلوم ہوتا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ہاتھ ملانا مصافحہ کے طور پر تھا یا بطورِ بیعت کے، تیسرے وہ روایات جن سے مطلقاً ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہوتا ہے، ایک ہاتھ یا دو ہاتھ کی صراحت نہیں ہے، البتہ احتمال دونوں ہی صورتوں کا ہے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایات

۔ جس روایت سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا معلوم ہوتا ہے اس کو امام بخاریؒ نے اس طرح نقل کیا ہے:

علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشهد وکفی بین کفیه (۱)

آپ نے مجھے تشہد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

۲. ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلمین التقیا اخذ احدهما بید صاحبه الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان یحضر دعائهما ولا یفرق بین ایدیهما حتی یغفر لهما (۲)

آپ نے فرمایا دو مسلمان جب بھی باہم ملتے ہیں اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ تھام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہوتا ہے کہ ان کی دعاؤں میں حاضر ہو اور وہ اپنے ہاتھوں کو الگ نہیں کرتے یہاں تک کہ ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

یہاں مصافحہ کے بعد دونوں کے لئے "ہاتھوں" کے الگ کئے جانے کا ذکر ہے اور "جمع" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ کے لئے ایک ہاتھ کا نہیں بلکہ ہاتھوں کا استعمال ہونا چاہیئے۔

۳. ان رسول اللہ قال اذا تصافح المسلمان لم تفرق اکفهما حتی یغفر لهما۔ (۳)

آپ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو اپنے ہاتھوں کو الگ نہیں کرتے کہ ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

۴. قدمنا فقیل ذاك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہم آئے تو ہم سے بتایا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ہم نے

(۱) بخاری عن ابن مسعودؓ ۲/۹۲۶۔
(۲) مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد عن انسؓ ۸/۳۶۔
(۳) مجمع الزوائد، طبرانی عن ابی امامہ ۸/۳۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فاخذ نا بیدیه.	آپؐ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا۔
(۱)	یعنی مصافحہ کیا۔

جس روایت سے ہاتھ ملانا ثابت ہے لیکن بعض حضرات اس کو بیعت کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، وہ اس طرح ہے:

۱۔ بایعت بهاتین نبی	میں نے ان دونوں ہاتھوں سے آپؐ
الله صلی الله علیه وسلم (۲)	سے بیعت کی۔

اس میں دونوں ہاتھوں کا ملانا تو صریحاً ثابت ہے لیکن بعض بھائیوں کا خیال ہے کہ یہ صورت بیعت ہی کے ساتھ مخصوص ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی یہ تاویل درست نہیں ہے۔ اس واقعہ کا تعلق یقیناً بیعت ہی سے ہے لیکن اس میں اور مصافحہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لئے کہ خود مصافحہ بھی بیعت ہی کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، چنانچہ بیعت کے متعلق بعض روایات میں "مصافحہ" کا صریح ذکر ہے:

اتیت النبی فی نساء	میں کچھ عورتوں کے ساتھ حضورؐ
لنبایعه (الحدیث) وفیه	سے بیعت ہونے آئی ...... ہم
قلنا یا رسول الله الا تصافحنا	نے عرض کیا، اللہ کے رسول! آپؐ
قال انی لا اصافح النساء۔	ہم سے مصافحہ نہیں کریں گے، فرمایا
(۳)	میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

دیکھئے یہاں بیعت کے درمیان ہاتھ ملانے کو "مصافحہ" سے تعبیر

(۱) بخاری عن الوازع بن عامر فی الادب المفرد ۲/۴۳۹۔
(۲) بخاری، عن مسلم بن اکوع فی الادب المفرد ۲/۴۳۸۔
(۳) ترمذی ونسائی عن امیمہ بنت رقیقہ ۲/۱۸۳۔

کیا گیا ہے اور چوں کہ عورت سے مرد کے لئے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے حضورؐ نے بیعت کے درمیان مصافحہ سے انکار کر دیا، پس دراصل یہ حدیث دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی صریح دلیل ہے۔

مبہم روایات

۱۔ قال رجل یا رسول	ایک شخص نے کہا، اللہ کے رسولؐ! ہم
الله، الرجل منا یلقی	میں سے ایک شخص اپنے بھائی یا دوست
اخاه اوصدیقه أینحنی	سے ملاقات کرتا ہے، کیا وہ اس کے
له قال لا، قال أفیلتزمه	لئے جھکے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، دریافت
ویقبله قال لا، قال	کیا: کیا چمٹائے اور بوسہ لے؟ آپؐ
أفیاخذ بیده ویصافحه	نے فرمایا نہیں، پوچھا: کیا اسکا ہاتھ
قال نعم.	تھام کر مصافحہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا
(۱)	ہاں ــــــــ
۲۔ کنا مع النبی وهو	ہم لوگ حضورؐ کے ساتھ تھے اور آپؐ
اخذ بید عمر بن الخطاب	حضرت عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے
فقال له عمر یا رسول الله!	حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسولؐ!
لانت احب الیّ من کل	آپؐ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز
شیئ الا نفسی فقال النبیؐ	سے زیادہ عزیز ہیں، آپؐ نے فرمایا
لا والذی نفسی بیده	نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ
حتی اکون احب الیه	میں میری جان ہے، یہاں تک کہ میں

(۱) ترمذی عن انسؓ ۲/۱۰۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

من نفسك فقال له عمر فانه الآن واللہ لانت احب الیّ من نفسی فقال النبی الآن یا عمر۔ (۱)

تیرے نزدیک تیری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اب بخدا! آپؐ مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ! اب تمہارا ایمان معتبر ہے۔

۳۔ كانت اذا دخلت علیه قام الیها فاخذ بیدها فقبلها فاجلسها فی مجلسه وكان اذا دخل علیها قامت الیه فاخذت بیده فقبلته فاجلسته فی مجلسها (۲)

حضرت فاطمہؓ جب حضورؐ کے ہاں آتیں تو حضرتؐ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، ان کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے، اسی طرح حضورؐ جب حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے تو کھڑی ہوتیں، آپؐ کا ہاتھ پکڑتیں، آپؐ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

۴۔ كان النبی اذا لقی الرجل فكلمه لم یصرف وجهه حتی یكون هو الذی ینصرف واذا صافحه لم ینزع یده من یده حتی یكون هو الذی ینزعها (۳)

آپؐ جب کسی سے ملتے اور گفتگو کرتے تو اپنی توجہ نہ موڑتے یہاں تک وہ خود رخ موڑ لیتے اور جب مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہ کھینچتے تاآنکہ وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے۔

---

(۱) بخاری عن عبداللہ بن ہشام ۲/۹۲۶۔

(۲) ابوداؤد عن عائشہؓ ۲/۷۰۸۔

(۳) ابن ماجہ عن انسؓ ۲/۲۶۴۔

۵۔ عن النبیؐ قال ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیه واخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما كما یتناثر ورق الشجر۔ (۱)

آپؐ سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا: جب مسلمان سے ملاقات ہو اسے سلام کرے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے۔

اسی مضمون کی روایت مسند احمد میں حضرت انسؓ اور حضرت براء بن عازبؓ سے بھی منقول ہے (۲)

ان روایات میں مطلقاً ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا ذکر ہے، چونکہ عربی زبان میں "ید" واحد ہے، اس لئے بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ آپؐ کی سنت ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی ہے لیکن اس حدیث سے صراحۃً اور قطعاً ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ کبھی صرف ہاتھ کہا جاتا ہے اور اس سے دونوں ہاتھ مراد لئے جاتے ہیں، مثلاً کوئی شخص کہے کہ "میں نے خود اپنے ہاتھ سے چاول کا تھیلا اٹھالیا" تو عرف میں اس کا مطلب یہ نہیں سمجھا جاتا کہ صرف ایک ہی ہاتھ سے اس نے تھیلا اٹھایا ہوگا۔ پیدل چلنے کو "پا پیادہ چلنا" کہا جاتا ہے، یہاں "پا" کا لفظ واحد ہی ہے جس کے معنیٰ پاؤں کے ہیں لیکن کوئی بیوقوف ہی اس کا مفہوم یہ سمجھ سکتا ہے کہ فلاں شخص صرف ایک پاؤں سے چل رہا تھا، عربی قواعد کی اصطلاح میں اس کو "جنس" کہا جاتا ہے، یعنی لفظ واحد کا استعمال کیا جائے اور مراد اس سے اس کی پوری جنس لی جائے، مثلاً ان الانسان لفی خسر (بیشک انسان نقصان میں ہے)

---

(۱) مجمع البحرین ۵/۲۶۴ بحوالہ طبرانی عن حذیفہ۔

(۲) دیکھئے: مجمع الزوائد ۸/۳۶، باب المصافحۃ والسلام ونحو ذالک۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت میں لفظ "انسان" واحد ہی ہے لیکن اس سے مراد صرف ایک آدمی نہیں ہے بلکہ پوری جنس انسانیت ہے۔ اسی طرح جن روایات میں مصافحہ کے لئے "ید" کا لفظ استعمال گیا گیا ہے اور واحد کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہاں دراصل صرف ایک ہاتھ مراد نہیں ہے بلکہ ہاتھ کی جنس مراد ہے اور ہاتھ دو ہیں۔

تاہم چوں کہ اس میں دونوں ہی مفہوم کا احتمال ہے اسی لئے محققین نے ایک ہاتھ اور دو ہاتھ دونوں ہی طرح مصافحہ کو حدیث سے ثابت تسلیم کیا ہے۔

والحق فیه ان المصافحة	حق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ثابت بالید والیدین.	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا بھی ثابت ہے
(۱)	اور دونوں ہاتھوں سے بھی۔

کلمۂ عدل

پس حق وانصاف کی بات یہ ہے کہ مصافحہ کے یہ دونوں ہی طریقے ثابت ہیں البتہ امام بخاری کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف سے دونوں ہاتھوں کا مصافحہ ہی متوارث رہا ہے اور یہی طریقہ صالحین کا معمول تھا، چنانچہ خود امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں "باب المصافحہ" میں صرف عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں تشہد سکھاتے ہوئے آپؐ کے دونوں ہاتھوں سے حضرت ابن مسعودؓ کا ہاتھ تھامنے کا ذکر ہے (۲) اور اس کے بعد فوراً ہی دوسرا باب "باب الاخذ بالیدین" (دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا بیان) کے عنوان سے قائم کرکے اس طرح لکھا ہے، وصافح حماد بن زید ابن المبارکؒ

(۱) العرف الشذی : ۱۰۱/۲۔
(۲) بخاری عن ابن مسعودؓ ۹۳۶/۲۔

بیدیه (حماد نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانہ میں بزرگوں کا معمول دونوں ہی ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا تھا اور بہ ظاہر ان حضرات تک یہ معمول صحابہؓ ہی کے عہد سے نسلاً بعد نسلٍ پہونچا ہوگا۔ اس لئے یہ بات بجائے خود دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، حدیثیں بھی اس بارے میں صریح ہیں، اور ان کے مقابل جن روایتوں سے ایک ہاتھ کا مصافحہ معلوم ہوتا ہے وہ احتمال سے خالی نہیں ہیں۔ نیز دونوں ہاتھوں سے مصافحہ میں تواضع اور انکسار اور عجز و نیاز کا اظہار زیادہ ہے اور یہی باہمی ملاقات میں مطلوب ہے، اور ان کے علاوہ ایک ہاتھ سے مصافحہ عیسائیوں اور آجکل کے فساق و فجار کا شیوہ ہے، ایک ہاتھ سے مصافحہ میں ان سے تشابہ اور ظاہری یکسانیت محسوس ہوتی ہے، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ میں یہ بات نہیں ہوتی، اس لئے زیادہ بہتر طریقہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ہے، اسی بات کو فقہاء نے سنت سے تعبیر کیا ہے۔

السنة فی المصافحة بکلتا یدیه (۱)	مسنون طریقہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ہے

لیکن ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا بھی چونکہ فی الجملہ احادیث سے ثابت ہے، اس لئے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا بھی درست ہے، اس میں شدت نہ برتنی چاہئے، علامہ انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

اعلم ان کمال السنة فیها ان	جان لو، کمالِ سنت یہ ہے کہ مصافحہ
تکون بالیدین وتتأدی اصل	دو ہاتھوں سے ہو تاہم محض سنت ایک
السنة من ید واحدة ایضاً (۲)	ہاتھ سے بھی ادا ہو جائے گی۔

هٰذا ما عندی واللّٰه اعلم بالصّواب۔

(۱) العرف الشذی مع الترمذی: ۱۰۱/۲۔
(۲) حوالہ سابق۔ و شرح الادب المفرد : ۴۳۱/۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتابیات

(الف)

۱۔ آثار السنن

۲۔ ابجد العلوم

۳۔ ابن حبان

۴۔ ابن ماجہ

۵۔ ابوداؤد

۶۔ اتحاف

۷۔ اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ

۸۔ الاجوبۃ الفاضلۃ

۹۔ احکام القرآن

۱۰۔ الاحکام للآمدی

۱۱۔ الاربعین

۱۲۔ اعلاء السنن

۱۳۔ اعلام الموقعین

۱۴۔ الافصاح علی نکت ابن الصلاح

۱۵۔ الاکمال فی اسماء الرجال

۱۶۔ امام الکلام

۱۷۔ الانتقاء

۱۸۔ الانصاف فی سبب الاختلاف

۱۹۔ اوجز المسالک

(ب)

۲۰۔ البحر الرائق

۲۱۔ بخاری

۲۲۔ بدایۃ المجتہد

۲۳۔ البدایۃ والنہایۃ

۲۴۔ بذل المجہود

۲۵۔ بوادر النوادر

۲۶۔ بیہقی

(پ)

۲۷۔ پیغام حق

(ت)

۲۸۔ تاریخ احمدیہ

۲۹۔ تبییض الصحیفہ

۳۰۔ تحدیثِ نعمت

۳۱۔ تحفۃ الاحوذی

۳۲۔ تحقیق الدکتور مصطفیٰ اعظمی (ابن ماجہ)

۳۳۔ تدریب الراوی

۳۴۔ تذکرۃ الحفاظ

۳۵۔ ترمذی

۳۶۔ التعلیق الحسن

۳۷۔ تفسیر ابن کثیر

۳۸۔ تفسیر قرطبی

۳۹۔ تقریب التہذیب

۴۰۔ تنویر الابصار

۴۱۔ تہذیب التہذیب

۴۲۔ تیسیر التحریر

(ج)

۴۳۔ جامع بیان العلم

۴۴۔ جامع المسانید

۴۵۔ جزء القراءۃ

۴۶۔ الجنۃ لاہل السنۃ

۴۷۔ الجوہر النقی

(ح)

۴۸۔ صاوی علی الشرح الصغیر

۴۹۔ حجۃ اللہ البالغۃ

۵۰۔ حدیث اور اہلحدیث

۵۱۔ حسن العزیز

۵۲۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستۃ

(خ)

۵۳۔ خلافتِ راشدہ

۵۴۔ الخیرات الحسان

(د)

۵۵۔ دارقطنی

۵۶۔ دارمی

۵۷۔ دستور العلماء

(ذ)

۵۸۔ ذکرِ حبیب

(ر)

۵۹۔ رحمۃ الامۃ

۶۰۔ رد المحتار

۶۱۔ رسالہ اعداد الجنۃ

۶۲۔ رسالہ اشاعت السنۃ

۶۳۔ رسائلِ اہلِ حدیث

۶۴۔ الروض المربع

(ز)

۶۵۔ زرقانی

(س)

۶۶۔ سننِ بیہقی

۶۷۔ سیرت المہدی

۶۸۔ سیدنا حسن بن علی

(ش)

۶۹۔ شرح الادب المفرد

۷۰۔ شرحِ زرقانی

۷۱۔ الشرح الصغیر

۷۲۔ شرح موطا للباجی

۷۳۔ شرح معانی الآثار

۷۴۔ شرح نووی علی مسلم

۷۵۔ الشیخ محمد بن عبدالوہاب عقیدۃ السلفیہ و دعوتہ الاصلاحیۃ وثناء العلماء علیہ۔

....

(ص)

۷۶۔ صحیح ابن خزیمہ

۷۷۔ صدیقۂ کائنات

(ط)

۷۸۔ طبرانی

۷۹۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ

۸۰۔ طحاوی

۸۱۔ طریق محمدی

(ع)

۸۲۔ العرف الشذی

۸۳۔ عقود الجواہر المنیفۃ

۸۴۔ عقود الجمان

۸۵۔ عمدۃ القاری

(غ)

۸۶۔ غایۃ الاوطار

(ف)

۸۷۔ فتاویٰ ابن تیمیہ

۸۸۔ فتاویٰ عالمگیری

۸۹۔ الفتح الربانی

۹۰۔ فتح القدیر

۹۱۔ فن معیشت

toobaa-elibrary.blogspot.com

490

۹۲۔ فتح الملہم
۹۳۔ الفیصلۃ الحجازیہ
۹۴۔ فیض الباری

(ق)

۹۵۔ القول الجلیل
۹۶۔ القول المسدد

(ک)

۹۷۔ کتاب الام
۹۸۔ کتاب التوحید فی رد اہل الالحاد والبدعۃ
۹۹۔ کشف الحجاب
۱۰۰۔ کشف الغمہ

(ل)

۱۰۱۔ لغاتِ حدیث

(م)

۱۰۲۔ متن الغایۃ والتقریب
۱۰۳۔ مجد اعظم
۱۰۴۔ مجموعۃ الرسائل الکبریٰ
۱۰۵۔ مجمع الانہر
۱۰۶۔ مجمع الزوائد
۱۰۷۔ مجمع البحرین
۱۰۸۔ المحلی
۱۰۹۔ مختصر قیام اللیل
۱۱۰۔ المدونۃ الکبریٰ
۱۱۱۔ مراسیل ابوداؤد
۱۱۲۔ مسند احمد
۱۱۳۔ مسند ابوعوانہ
۱۱۴۔ مسند ابویعلیٰ
۱۱۵۔ مسند بزار
۱۱۶۔ مستدرک حاکم
۱۱۷۔ مسند طیالسی
۱۱۸۔ مسلم
۱۱۹۔ مشکوٰۃ
۱۲۰۔ مشکل الآثار
۱۲۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ
۱۲۲۔ مصنف عبدالرزاق
۱۲۳۔ المطالب العالیہ
۱۲۴۔ المغنی
۱۲۵۔ مفتاح السعادہ
۱۲۶۔ مقدمہ نصب الرایۃ
۱۲۷۔ ملفوظات احمدیہ
۱۲۸۔ مناقب الامام ابوحنیفہ
۱۲۹۔ المناقب للموفق
۱۳۰۔ منہاج السنۃ
۱۳۱۔ موج کوثر
۱۳۲۔ موطا امام محمد
۱۳۳۔ موطا امام مالک
۱۳۴۔ مولانا داؤد غزنوی
۱۳۵۔ موارد الظمآن
۱۳۶۔ المہذب
۱۳۷۔ المیزان الکبریٰ

(ن)

۱۳۸۔ نسائی
۱۳۹۔ نزل الابرار
۱۴۰۔ نصب الرایہ
۱۴۱۔ النہایہ

(ہ)

۱۴۲۔ ہدیۃ المہدی

490